

## جاسوسی دنیا نمبر 112

زررہ قیسہ

(دوسرا ناول)

ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر اپنی سزا کو پہنچتے ہیں۔

اس میں آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ بسا اوقات مجرموں کے پیدا کردہ حالات کی بناء پر خود قانون کے محافظوں کی پوزیشن خطرے میں پڑ جاتی ہے اور ان کے خلاف شکوک و شبہات کے طور مار بندھ جاتے ہیں۔

فریدی ایسی ہی دشواری سے کس حد تک عہدہ برآ ہوتا ہے۔

حمید کی چوبیا کی واپسی کے تقاضے بھی عرصے سے ہو رہے ہیں لیکن اب یہ پرانی بات ہوئی اس کی واپسی سے شاید آپ زیادہ ملاحظہ نہ ہو سکیں اس کی جگہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ جانور کے ساتھ حمید صاحب تشریف لائے ہیں اور آئندہ بھی آپ اس جوڑے کے کرتبوں سے محفوظ ہو سکیں گے۔

پیشرس کے سلسلے میں فرمائشات آتی رہتی ہیں کہ اسے بھی دلچسپ ہونا چاہیے۔ درحقیقت یہ آپ کے جواب طلب دلچسپ خطوط ہی کے سہارے دلچسپ ہوا کرتا تھا اور پھر کبھی دل چاہتا ہے کہ آپ بعض معاملات پر سنجیدگی سے غور کریں۔ زندگی محض ہنسی خوشی کا کھیل نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ میں ہنسی کھیل ہی کے ذریعے آپ کو زندگی کے حقائق سے قریب تر لانے کی کوشش کرتا ہوں۔

ابن صفحہ

۱۶-۸-۷۱

## پیشرس

زرد فتنہ ملاحظہ فرمائیے، یہ سنگ ہی کی کہانی ہے اس کے سلسلے میں بے شمار تجاویز موصول ہوئی تھیں بہر حال دیکھئے کہ اس کی واپسی کس حد تک آپ کی دلچسپیوں میں اضافہ کر سکتی ہے۔ سنگ بلاشبہ ایک بڑا مجرم ہے اور خود کو اچھا آدمی نہیں کہتا لیکن اسی کہانی میں آپ کو ایسے مجرم بھی ملیں گے جو اپنے جرائم کو جرائم نہیں سمجھتے۔ ملک و قوم کی شہ رگ پر نشتر زنی بھی کرتے ہیں اور نیک نام بھی بنے رہتے ہیں۔ ”بڑے آدمی“ کہلاتے ہیں حالانکہ بڑا آدمی صرف وہ ہے جس کی تنگ و دو صرف اپنی ہی ذات کے لیے نہیں ہوتی۔ اگر مال دار ہوتا ہے تو خود کو ایک ”چوکیدار“ سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس مال کا چوکیدار جو دراصل اللہ کی ملکیت ہے اور اسے اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں سے صرف کرتا ہے۔

ہم جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں اللہ کی زمین ہی سے تو حاصل کرتے ہیں اور اس پر ہمارے حقوق صرف اسی حد تک ہوتے ہیں جو اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں۔

آپ کہیں گے آخر میں اس تفریحی کتاب میں وعظ و نصیحت کے دفتر کیوں کھول بیٹھا لیکن یہ باتیں اس کہانی سے ہٹ کر نہیں ہیں اس کا مرکزی خیال یہی ہے۔ اس میں آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو ملک و قوم کا حق چوری چوری غیروں کی تحویل میں دے دیتے ہیں اور پھر ایک تیسرے آدمی کے

قاسم الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اس نے سوچا کہیں پول میں تیرنے والوں میں سے کسی کی نگرانی نہ کر رہا ہو لیکن وہ پول کی طرف دیکھ ہی کب رہا تھا اس کی تو پشت تھی پول کی جانب! اس کی اور قاسم کی میز کے درمیان تین خالی میزیں حائل تھیں۔

وہ کچھ دیر تک تو حمید کی یہ کج ادائی برداشت کرتا رہا تھا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی پشت پر پہنچ کر بولا۔ ”عینک لگاؤ! غر مجھ جیسا پہاڑ تم کو نظر نہیں آتا۔“

”اوں..... ہوں.....!“ حمید چونک پڑا لیکن اس بار بھی قاسم نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے اجنبیت ہی سی محسوس کی۔

”نخرے کیوں کر رہے ہو۔“ قاسم جھنجھلا گیا۔

حمید نے پہلے تو اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ پھر اچانک اسکی آنکھیں مغموں سی ہو کر رہ گئیں۔ طویل سانس لے کر اس نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور ایک سادہ صفحے پر لکھنے لگا۔

”مجھ پر رحم کرو..... میں بیمار ہوں..... ڈاکٹر نے بولنے کی ممانعت کر دی ہے۔“ قاسم نے جھک کر اسے پڑھا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”بیمار ہو تو یہاں کیوں دھرے ہوئے ہو۔“

حمید نے پھر لکھا: ”زبان کی بیماری ہے..... ویسے اللہ کا فضل ہے۔“

”اور اغرقوئی لونڈیا نکرا گئی تو.....!“ قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔

”میں اس سے بھی معافی مانگ لوں گا۔“ حمید نے لکھا۔

”اے جاؤ مر گئے معافی مانگنے والے۔“ قاسم نے اس کے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ”تم مانی مانگو گے لونڈیا سے.....!“

حمید نے نوٹ بک بند کر کے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے..... اور قاسم کی ہی ہی ہی ہی حلق سے آزاد ہونے لگی۔

ایک بار حمید نے پھر نوٹ بک نکالی اور لکھنے لگا۔ ”اگر عیش ہی کرنا چاہتے ہو تو چلو میرے ساتھ۔ فی الحال اس چکر میں نہ پڑو کہ میں تمہیں کہاں لے جاؤں گا۔“

قاسم تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ”اچھی بات ہے..... چلو..... لیکن یاد رکھو

## پراسرار عینک

قاسم نے ہزاروں بار تہیہ کیا تھا کہ حمید کے سائے سے بھی دور رہے گا لیکن کبھی اس پر عمل نہ کر سکا۔ حمید کی شکل دیکھتے ہی عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا اور اس سے اس وقت تک چھٹکارا نہ پاسکتا جب تک کہ مل بیٹھنے کا موقع نصیب نہ ہوتا۔

آج بھی یہی ہوا..... نیا گرا کے سوئمنگ پول کے قریب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن قاسم کو حمید کے انداز میں کچھ بیگانگی سی نظر آئی بالکل ایسا لگا جیسے وہ اسے نظر انداز کرنا چاہتا ہو۔

حمید بھی تنہا ہی تھا! اگر کسی لڑکی کی ہم جلیسی کی بنا پر اس نے قاسم کے ساتھ یہ رویہ روا رکھا ہوتا تو اسے ذرہ برابر بھی حیرت نہ ہوتی۔

اس نے سر ہلا کر معمولی سی شناسائی تک کا اعتراف کرنا گوارا نہ کیا۔

آخر کیوں؟ قاسم سوچنے لگا۔ ماضی قریب میں ان کے درمیان کسی قسم کی کوئی تلخی بھی پیدا نہ ہوئی تھی..... پھر کیا بات تھی۔

سوئمنگ پول میں بھی اس وقت صرف مرد ہی نظر آ رہے تھے۔ دور دور تک کسی لڑکی کا پتہ نہیں تھا۔

اغز میرے ساتھ کوئی چار سو بیس ہوئی تو اچھا نہ ہوگا۔“

حمید اس طرح سر کو جنبش دے کر اٹھ گیا جیسے اس سے سو فیصد متفق ہو۔

باہر نکل کر قاسم نے اس سے پوچھا۔ ”میری گاڑی سے چلو گے یا اپنی گاڑی سے!“

جواب میں حمید نے اپنی انگلی اس کے سینے پر رکھ دی۔

”ڈاکٹر بھی سالہ جلد ہی معلوم ہوتا ہے جس نے ہوں ہاں کرنے سے بھی منع کر دیا

ہے۔“ قاسم بڑبڑایا۔

حمید صرف ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس پر قاسم نے اور بھی زیادہ جھلا کر پوچھا۔ ”تو

قیاسالے نے ہنسنے سے بھی منع کر دیا ہے۔“

حمید کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور قاسم کو بخندہ ہو جانا پڑا۔۔۔۔۔ بہر حال وہ دونوں رولز میں جا

بیٹھے۔

قاسم سچ سچ اس کے لیے فکر مند تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اظہار

ہمدردی کرے۔ اسے لکھنے کی تکلیف بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ لہذا کچھ دیر بعد اس نے بڑبڑانا

شروع کر دیا۔ ”یہ ڈاکٹر بھی بات کا بنگلڑ بنا دیتے ہیں۔ تمہاری زبان میں آبلہ وابلہ پڑ گیا ہو

گا۔ بولنے ہی کو منع کر دیا۔۔۔۔۔ اے بولنے سے تو پیٹ کی گرمی نکلتی ہے۔۔۔۔۔ میری خالہ اماں اگر

دس منٹ بھی کھا موش رہیں تو ان کے معدے میں آگ لگ جاتی ہے اس لیے وہ بس بولتی ہی

رہتی ہیں۔“

حمید نے جیب سے نوٹ بک نکال کر اس پر لکھا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارا خالو ابا

نہیں ہوں۔“

قاسم نے زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”خوشی تو مجھ تو بھی ہے کہ میں خود ہی اپنا خالو ابا

نہیں ہوں۔۔۔۔۔ اگر ہوتا تو جانتے ہو قیا ہوتا!“

حمید نے مسی صورت بنا کر سر کو جنبش دی۔ اس پر قاسم بولا۔ ”میرے دماغ کی گرمی

قہی نہ نقل سکتی۔!“

حمید اشارے سے اسے دائیں بائیں مڑنے کی ہدایت دیتا جا رہا تھا۔

دفعۃ قاسم بولا۔ ”اے یہ کہاں لیے جا رہے ہو۔ ادھر تو میں کبھی نہیں آیا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔۔۔۔۔ اس بار اس نے کچھ لکھا بھی نہیں!

آخر ایک جگہ رکنے کا اشارہ کر کے مسکرایا۔ قاسم نے گاڑی روک دی سڑک کے کنارے

بدر گاڑی روکی گئی تھی۔ ایک بڑی تین منزلہ عمارت تھی۔۔۔۔۔ اوپر کی منزلوں میں بے شمار فلیٹ

تھے۔۔۔۔۔ اور پچھلا حصہ بناوٹ کے اعتبار سے بھی منقسم نہیں معلوم ہوتا تھا۔

دونوں گاڑی سے اتر کر عمارت کی طرف بڑھے۔

عجلی منزل کے بڑے سے پھانک پر ایک باوردی ملازم نے ان کا استقبال کیا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔۔۔ تب قاسم کو معلوم ہوا کہ وہ کوئی ریکریشن ہال تھا اس کی دانست

میں بڑا ریکریشن ہال۔۔۔۔۔ اس شہر میں اتنا بڑا شانہ ہی کوئی دوسرا رہا ہو۔

فضا میں رقص کی موسیقی کھری ہوئی تھی اور بے شمار جوڑے رقص کر رہے تھے۔ وہ آگے

بڑھے اور اچانک ایک کچم شمیم عورت بائیں جانب سے قاسم پر جھپٹی۔

”کیا آپ میرے ہر قص بننا پسند کریں گے۔“ اس نے قاسم کو سنہلنے کا موقع دیئے بغیر

سوال کیا۔

قاسم نے بوکھلا کر حمید کی طرف دیکھا اور احقانہ انداز میں منہ چلانے لگا۔

”جلدی بولے۔۔۔۔۔!“ عورت نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔ ”کہیں میری بہن کی نظر آپ

پر نہ پڑ جائے!“

جج۔۔۔۔۔ جی میں کیا بولوں۔۔۔۔۔ ان سے پوچھئے۔۔۔۔۔ قاسم حمید کی طرف مڑا اور اس کے

پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔۔۔۔۔ کیوں کہ حمید کا کہیں پتا نہ تھا۔

”ارے باپ رے!“

”آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔“ عورت نے قاسم کو پھر جھنجھوڑا۔

”جج۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ وہ میرا۔۔۔۔۔ میرا ساتھی!“

”جہنم میں جھونکے ساتھی کو۔۔۔۔۔ میں آپ کی ساتھی ہوں!“

”وہ تو سچ ہے۔۔۔۔۔ لیکن مجھے ناچنا نہیں آتا۔۔۔۔۔!“

”میں سکھا دوں گی!“ اس نے قاسم کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اسے

رقاصوں کی بھیڑ کی طرف کھینچنے لگی۔

قاسم کو ہنسی آگئی..... اور بوڑھا چونک کر اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”آپ ہنس کیوں رہے ہیں جناب!“

”قدرت کی ظریف سستی پر ہنس رہا ہوں!“

”یہ کیا چیز ہوتی ہے.....؟“ اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

”مطلب یہ کہ..... وہ جو ہوتی ہے..... یعنی کہ آپ ان دنوں کے ڈیڈی ہیں۔ بڑی

ڈنڈی ہوئی آپ سے مل کر!“

”غالباً آپ قدرت کی ستم ظریفی کہنا چاہتے تھے۔“

”جی غاں..... وہی وہی!“

”وہ دونوں بدستور تو میں میں کیے جا رہی تھیں.....!“

بوڑھے نے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کہا..... ”آئیے میرے ساتھ..... ان دنوں کا تو دماغ

خراب ہو گیا ہے!“

”مم..... مگر۔“

”کچھ نہیں..... پہلے انہیں طے کر لینے دیجئے کہ کون کتنی دیر تک آپ کے ساتھ ناچے گی۔“

وہ اسے ایک کیمین میں لایا۔ دونوں بیٹھ گئے اور بوڑھے نے اس سے کہا۔ ”یہ دونوں

لڑکیاں میرے لیے دہال جان بن گئی ہیں آپ پہلے آدمی ہیں جسے انہوں نے پسند کیا ہے!“

”ارے جی..... ہی ہی ہی..... میں کیا.....!“

”نہیں آپ بہت کچھ ہیں..... کیا شادی شدہ ہیں آپ!“

”جھوٹ نہیں بولوں گا..... بیوی ہے تو..... لیکن میرے کام کی نہیں!“

”یہ بہت اچھی بات ہے۔ آپ مجھے اپنا ہمدرد اور دوست پائیں گے! یہ تحفہ قبول

فرمائیے!“

اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک عینک نکالی جو عام عینکوں سے

مختلف تھی، فریم کی بناوٹ عجیب تھی۔

”ذرا اس عینک کو لا کر ناچ دیکھئے۔ لطف دہلا ہو جائے گا!“ اس نے عینک قاسم کی

طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

قاسم بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی لمحے بھی لڑکھڑا کر فرش پر

رہے گا۔

بہر حال وہ اس عورت کے ساتھ لڑھکتا پھر رہا تھا.....!

”آپ بہت جلد سیکھ لیں گے!“ عورت اس سے بولی۔

”ہوں..... ہوں.....“ قاسم اڑے اڑے ذہن کے ساتھ بولا۔ ”جی غاں بالکل.....!“

”پانچ سال بعد میں ناچ رہی ہوں!“

”تیوں..... پانچ سال!“

”پانچ سال تک کوئی ہرقص ملا ہی نہیں..... جھینگر جیسے لوگوں کے ساتھ کون ناچے؟“

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ایک لمبی ترنگی عورت نے اس پر یلغار کی۔ اس کی

ہرقص کو دھکا دے کر الگ کیا اور اس کے ہاتھ خود تھام لیے۔

پہلی دوسری پر بھوکی شیرنی کی طرح چھٹی تھی.....!

”یہ کیا حرکت ہے.....!“

”کتنی دیر سے ناچ رہی ہو۔ کیا صرف اپنے نام الاٹ کر لیا ہے۔“ دوسری نے غصیلے

لہجے میں کہا۔

وہ دونوں جھگڑا کر رہی تھیں اور قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں گھورے جا رہا تھا۔

پہلی کی عمر پچیس کے لگ بھگ رہی ہوگی اور دوسری بیس بائیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔

نقوش دونوں کے دل کش تھے اور ان کے درمیان کسی قدر مشابہت بھی پائی جاتی تھی۔

قاسم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ حمید کی تلاش میں چاروں طرف

نظر دوڑانے لگا۔ لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

ایک دراز قد دبلا پتلا بوڑھا آدمی ان کی طرف تیزی سے چلا آ رہا تھا اس کے سر اور بھوؤں

کے بال سفید تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ اس نے قریب پہنچ کر ان دونوں کو مخاطب کیا۔

دونوں نے بیک وقت بولنا شروع کر دیا..... اور اچانک قاسم پر مشکشف ہوا کہ وہ بوڑھا

ان دنوں کا ڈیڈی ہے۔

گاڑی کپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور حمید اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ وہ قاسم کی روڑ تھی۔  
قاسم گاڑی سے اتر کر آمدے کی طرف بڑھا وہ حمید کو گھورے جا رہا تھا قریب پہنچا تو  
حمید مسکرا کر بولا۔ ”خیریت تو ہے۔“

”ہائے ہائے!“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”اب اجازت دے دی سالے ڈاکٹر نے!“

”کہاں کی ہانک رہے ہو!“

”مگر یہ جروری تو نہیں ہے کہ ہمیشہ بے وقوف ہی ہوں..... بیٹا وہ چیز ہاتھ لگی ہے کہ  
چودہ طبق روشن ہو جائیں غے..... تم نے تو بے وقوف ہی بنایا تھا!“

”تم نشے میں تو نہیں ہو! کب کی بات ہے!“

”میں تمہیں ماف کر چکا ہوں..... اس لیے اب بات نہ بڑھاؤ اور اب عیش کرنا چاہتے

ہو تو تم خود میرے ساتھ چلو!“

”کہاں؟“

”جہاں جی چاہے۔ قیا پرواہ ہے..... کسی ٹائٹ کلب..... ہوٹل..... کوئی اور تفریح گاہ.....

نہیں بھی.....!“

”یہ بات ہے.....!“

”اور قیا.....!“

”اچھا تو چلو!“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”بالکل نہ ڈرو..... میں تمہیں ماف کر چکا ہوں..... اس بڑھے اور اس کی بیٹیوں کے

صدقے میں!“

”کس بڑھے اور اس کی بیٹیوں کی بات کر رہے ہو؟“

”ہاں ٹھیک ہے تم نے تو ایک ہی دیکھی تھی اور کھسک گئے تھے..... ابق اور تھی اس کی

بہن..... ہائے ہائے دونوں ہی میری طرح ہمالیہ پہاڑ تھیں.....!“

”کب کی بات کر رہے ہو۔“

”کیا تم نے پی رکھی ہے حمید بھائی!“ قاسم یک بیک بجد سنجیدہ ہو کر حمید کو گھورنے لگا۔

پھر بولا۔ ”یار زبان کی بیماری آدمی کو بے ہوش کر دیتی ہے۔“

قاسم نے عینک لگائی اور بوڑھا کیمین کا پردہ ہٹانے لگا۔

”ارے..... ارے..... ارے باپ رے!“ قاسم کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور اس  
نے عینک اتاری دی..... سانس پھولنے لگی تھی اور پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ نکلی تھیں۔  
”کیوں کیا ہوا.....؟“ بوڑھے نے مسکرا کر پوچھا۔

قاسم جھینپی جھینپی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”کیا آپ یہ عینک میرے ہاتھ بیچنا چاہتے ہیں؟“  
”تحققاً عیش کی ہے جناب عالی!“

”تب..... تب تو آپ بے حد حرامی معلوم ہوتے ہیں!“

”اس کے باوجود بھی یہ عینک آپ کو قبول کرنی ہی پڑے گی!“

قاسم ہٹکانے لگا۔ ”جج..... جی دراصل..... جلدی میں ایسی بے ہودہ بات میری جہان  
سے نقل غنی..... ورنہ میں تو آپ کا غلام ہوں!“

”کوئی بات نہیں!“ وہ قاسم کا شانہ تھپک کر بولا۔ ”میں خود بھی اپنے آپ کو بے حد

حرامی سمجھتا ہوں!“

قاسم نے عینک تو کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھی اور ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑایا۔ ”مجھے ماف

کر دیجئے..... آپ میرے بزرگ ہیں.....!“

”چلو معاف کر دیا!“ بوڑھا ہنس پڑا۔



رات کے کھانے کے بعد کیشین حمید بیردنی برآمدے میں آ بیٹھا۔ فریدی ابھی تک واپس

نہیں آیا تھا۔ لہذا اسے اکیلے ہی کھانا پڑا تھا۔

پائپ سلگا کر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ پھانک پر کوئی

گاڑی رکی..... اور چوکیدار پھانک کھولنے لگا۔

”اے تم تو پیڑ گنتے گئے.... آم خاؤ آم....!“ قاسم اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔  
حمید عینک لگا کر رقص کرنے والوں کی طرف مڑا۔  
”ارے.... ارے.... او.... لاجول ولا قوۃ....!“ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں  
عینک اتار دی اور قاسم کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔  
”کہاں سے ملی یہ عینک!“

”لاؤ.... ادھر لاؤ....!“ قاسم نے عینک واپس لینے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے  
کہا۔ ”مزاج ہی نہیں ملتے لاٹ صاحب قے.... میں تو سمجھا تھا کہ دیکھ کر خوش ہوں گے....  
ورنہ میرے ٹھیکے کو غرض تھی دوڑے آنے کی۔ واہ.... نیکی برباد گناہ لازم.... غراتے ہیں مجھ  
پر.... آنکھیں دکھاتے ہیں!“

”میں پوچھتا ہوں کہ تمہیں یہ عینک کہاں سے ملی ہے!“ حمید نے عینک کوٹ کی اندرونی  
جیب میں رکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔  
”اے جاؤ۔ تم اسے ہضم نہیں کر سکتے.... دھونس کسی اور پر جمانا.... ہڈی پیلی توڑ کے  
رکھ دوں گا!“

”سنو! کیا تم جیل جانا چاہتے ہو؟“  
”تمہاری تو ایسی کی تھی!“ قاسم اٹھتا ہوا بولا لیکن حمید کو موقع کی نزاکت کا اندازہ  
تھا۔ اس لیے وہ اس کے اٹھنے سے پہلے ہی اٹھ کر کسی قدر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر وہ بڑی تیز  
رفتاری سے صدر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔  
وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ قاسم جتنی دیر میں صدر دروازے پر پہنچے گا وہ کپاؤنڈ میں ہوگا۔  
اور پھر وہ قاسم ہی کی روز لے بھاگا تھا.... سیدھا گھر پہنچا.... یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ  
فریدی اس دوران میں گھر واپس آ گیا تھا۔ کھانے کی میز پر اس سے ملاقات ہوئی۔  
”مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم قاسم کے ساتھ گئے ہو!“ اس نے اس کی طرف توجہ دے کر بغیر  
یونہی رواروی میں کہا۔ ”بہت جلد واپس آ گئے۔“

”ایک کارنامہ انجام دے کر آیا ہوں!“  
”اچھا....!“ فریدی نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”چلو.... چلو.... راستے میں باتیں ہوں گی۔“ حمید اس کا شانہ تھپک کر بولا۔  
”ہاں.... جرور.... میں قسم خاتا ہوں کہ تم سے اس حرکت کا بدلہ نہیں لوں گا!“  
حمید طویل سانس لی.... اور دونوں برآمدے سے اتر کر رولز کے قریب آئے۔  
”مجھے ڈرائیو کرنے دو....!“ حمید نے کہا۔  
”قیوں.... قیا.... میں نے شراب پی رکھی ہے!“

”یہ بات نہیں ہے۔ بس رولز ڈرائیو کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ مجھ جیسا غریب آدمی اس  
کی توقع تو رکھ نہیں سکتا کہ کبھی رولز خرید سکے گا!“  
”کیوں دل تھوڑا کرتے ہو، حمید بھائی....!“ قاسم نے خلوص سے کہا۔ ”دل چاہے تو  
غاڑی تم ہی رکھ لو!“

”ارے نہیں مجھ جیسا غریب آدمی یہ ہاتھی مفت میں بھی نہیں پال سکتا۔“  
”اچھا بس اب غریب وریب کی باتیں بند کرو۔ چلو بیٹھو تم ہی ڈرائیو کرو....!“ تھوڑی  
دیر بعد وہ گرینڈ کے بال روم میں داخل ہوئے.... گیلری میں انہیں ایک خالی میز بھی نصیب ہو  
گئی.... قاسم نے بیٹھے ہی کھانے پینے کی کچھ چیزوں کا آرڈر دیا۔  
”میں کھانا کھا چکا ہوں....!“ حمید بولا۔

”فکر نہ کرو.... میں خاؤں غا....!“ قاسم نے رقص کرنے والوں کو لپٹائی ہوئی نظروں  
سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر حمید نے کہا۔ ”اب دکھاؤ.... کیا دکھانا چاہتے تھے!“  
”یہی.... تفریح۔“ قاسم نے رقاصوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔  
”یہ تو میں تمہاری مدد کے بغیر بھی دیکھ سکتا تھا۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔  
”جو کچھ میں دکھانا چاہتا ہوں!“ قاسم ہنس کر بولا۔ ”وہ تم خواب میں بھی نہیں دیکھ  
سکتے.... یہ لو.... عینک لگا کر دیکھو!“

قاسم نے عینک نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔  
”اوہ....!“ حمید عینک اس کے ہاتھ سے لے کر اس کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ غیر معمولی  
بناوٹ کی عینک تھی اور اس کا وزن بھی عام عینکوں کے وزن سے کئی گنا زیادہ معلوم ہوتا تھا۔



”کیا مطلب!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔  
 ”جہاں سے مجھے ملی ہے وہاں یہی شیطان تو مجھے لے گیا تھا!“ قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔

”تم گھاس تو نہیں کھا گئے۔“ حمید چیخا۔  
 ”نہیں میں نے تو گو بھی کے پتے چبائے تھے۔ تم سالے اتنا یاد رکھنا میں بھی کسی کباڑی کی اولاد نہیں ہوں!“

”آؤ.... میرے ساتھ!“ فریدی نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔  
 ”ہم کسی دوسری جگہ گفتگو کریں گے۔ حمید تم یہیں ٹھہرو گے!“  
 حمید نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا۔ قاسم فریدی کے ساتھ باہر جاتے ہوئے مڑ مڑ کر حمید کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے جا رہا تھا۔  
 کچھ دیر بعد فریدی تنہا واپس آیا۔

”تم آج شام اسے کہاں لے گئے تھے۔“ اس نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔  
 ”کہیں بھی نہیں.... آپ ملازموں سے معلوم کر سکتے ہیں کہ میں تین بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک گھر ہی پر رہا تھا اور اسی مردود کے ساتھ باہر نکلا تھا۔“

”اس نے ایک دلچسپ کہانی سنائی ہے۔“  
 اور پھر اس نے قاسم کی روداد دہرا کر کہا۔ ”اگر وہ تم نہیں تھے تو....!“  
 ”آپ خود غور کیجئے۔ آخر مجھے کیا پڑی تھی کہ خاموش رہنے کے لیے کوئی بہانہ تراش کر اس سے تحریری گفتگو کرتا!“

”ہوں....! یہی نکتہ تمہاری موافقت میں ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”یقیناً وہ آدمی جو تمہارے جیسے میں تھا آواز بھی بدل لینے پر قادر نہ رہا ہوگا۔“  
 ”لیکن.... آخر.... اس کا مقصد!“

”سنگ ہی نے بتایا ہے شہر میں گردش کرنے والی عینکیں اسی کی تقسیم کردہ ہیں۔“  
 ”سنگ ہی!“

”ہاں... وہ بوڑھا سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا!“

”آپ نے جن عینکوں کے متعلق افواہ سنئی تھی ان میں سے ایک ہاتھ آگئی ہے۔“  
 ”اوہ.... کہاں ہے....!“

”جیب میں.... ابھی دیتا ہوں.... لیکن خدارا اسے لگا کر میری طرف نہ دیکھئے گا!“  
 ”لاؤ.... میں خود کو دیکھوں گا!“ فریدی نے ہاتھ بڑھایا۔

حمید نے عینک جیب سے نکال کر میز پر ڈال دی.... اور خود دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا گیا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تھوڑی دیر میں قاسم بھی پہنچنے ہی والا ہوگا۔ لہذا ڈرائنگ روم سے بالحقہ کمرے میں بند ہو بیٹھا۔

تھوڑی دیر بعد وہی ہوا جس کا خدشہ تھا.... قاسم کی دھاڑیں سنائی دیں اور ساتھ ہی فریدی کی گرج بھی.... وہ اس سے خاموش رہنے کو کہہ رہا تھا۔

حمید دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا.... وہ دونوں وہیں تھے.... حمید کو دیکھتے ہی قاسم دھاڑا۔ ”لاؤ میری عینق“

”اوہو.... تو وہ عینک تمہاری ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں۔ میری ہے۔ یہ چھین کر بھاگا ہے اور اوپر سے کہتا ہے جیل بھجوا دوں گا۔“  
 ”یقیناً جیل جاؤ گے!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں ملی کہاں سے.... تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ پولیس ایسی عینکوں کی تلاش میں ہے!“  
 ”ارے باپ رے!“ پہلی بار قاسم کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آئے۔

## حمید کی گرفتاری

کچھ دیر تو قاسم کے چہرے پر خوفزدگی طاری رہی پھر یک بیک چونک کر بولا۔ ”اب کیا میرے ساتھ فراڈ کیا جائے گا!“



تھوڑی دیر بعد وہ تجربہ گاہ میں حمید کا میک اپ کر رہا تھا۔

”بس اب یہ سمجھ لو کہ کچھ دنوں تک تمہیں اس میک اپ میں رہنا پڑے گا اور تم ادھر کا رخ بھی نہیں کرو گے!“

”تو پھر مجھے قاسم ہی کی نگرانی کرنی ہوگی۔“ حمید نے پوچھا۔

”بہت زیادہ نہیں.... مقابلہ سنگ ہے اسے ہر وقت یاد رکھنا۔ فی الحال اس نے قاسم کے توسط سے یہ عینک میرے پاس بھجوائی ہے۔ ہو سکتا ہے اب وہ اس میک اپ ہی کو استعمال نہ کرے جس میں قاسم سے ملا تھا لیکن کم از کم ان دو عورتوں کا سراغ تو مل ہی سکتا ہے جنہوں نے قاسم کے ساتھ رقص کرنا چاہا تھا۔“

”کیا منظر ہوگا!...“ حمید نے تہقہہ لگایا۔

”اور ہاں سنورڈن ہیولے والے کیس میں کاغذات پر کسی ایم فریک ہی کا نام درج کیا گیا ہے جو بالآخر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا.... یہ صرف ہم دونوں ہی جانتے ہیں کہ وہ سنگ ہی تھا۔“

”کیوں؟ ایسا کیوں کیا؟ آپ نے.....!“

”تاکہ اپنے طور پر اس کی سرکوبی کر سکوں۔ سنگ کا نام ظاہر ہوتے ہی اوپر تک کھلبلی مچ جاتی اور مشوروں پر مشورے ملنے لگتے اور سنگ اس قسم کے پہچانات سے فائدہ اٹھانے کا ماہر ہے۔ اب یہ جو حرکت اس نے شروع کی ہے اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہماری حکومت کو ان دونوں قیدیوں کی رہائی پر مجبور کرے!“

”اگر آپ عینک مجھے دے دیں تو کیا حرج ہے شاید اسی کے توسط سے میں سنگ یا اس کے ایجنٹوں تک پہنچ سکوں!“

”بس!...“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم احمق ہو.... اس رات اگر تم اس کی بد زبانی پر جواغیا ہو کر جھپٹ نہ پڑے ہوتے تو وہ بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔“

حمید کچھ نہ بولا.... میک اپ کر چکنے کے بعد اس نے فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور اس سے گفتگو کرتا رہا.... لیکن حمید اس کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ جس زبان میں گفتگو ہوئی تھی اس کے لیے بالکل نئی تھی۔

”لیکن اس حرکت سے اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے!“

”دھمکی.... اگر یہ عینکیں عام ہو گئیں تو پورا شہر کتوں کا جنگل بن کر رہ جائے گا۔“

”یہ تو ہے۔“ حمید پر تشویش لہجے میں بولا۔

”میں نے فی الحال قاسم کو سمجھا بچھا کر واپس کر دیا ہے۔ عینک میرے ہی پاس ہے۔“

”لایئے.... مجھے واپس کر دیجئے!“

”شٹ اپ!“

”اس کی نہیں ہوئی۔ آپ اکیلے اکیلے محفوظ ہوتے پھریں گے!“

”لفظ محفوظ استعمال کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے!“ فریدی نے سخت لہجے میں

کہا۔ ”آدمی اتنا کمینہ ہو گیا ہے کہ ایسی عینکیں بنانے پر اتر آیا ہے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔ ”کیا اس جگہ ریڈ نہیں کیا جائے گا جہاں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی!“

”لا حاصل.... سنگ اب وہاں موجود نہ ہوگا.... اس سے بہتر تو یہی ہوگا کہ قاسم پر گہری نظر رکھی جائے!“

”کس طرح!“

”سوچیں گے!...“ فریدی نے کہا.... اور ڈرائینگ روم سے باہر جانے لگا۔

”ٹھہریئے۔ کیا آپ مجھے باہر جانے کی اجازت دیں گے۔“ حمید بولا۔

”کہاں جانا چاہتے ہو!“

”وہیں جہاں میرا بمشکل قاسم کو لے کر گیا تھا۔“

”اس سے فائدہ!“

”مجھے یقین ہے قاسم یہاں سے سیدھا دیں جائے گا!“

”حمید صاحب! میں نہیں چاہتا کہ اس بار سنگ ہی آپ کو پکڑ کر بطور یرغمال رکھے اور

مجھ سے اپنا مطالبہ دہرائے۔“

”ارے تو کیا چوڑیاں پہن کر بیٹھ رہوں!“

”اچھی بات ہے۔ جانا ہی چاہتے ہو تو میک اپ میں جاؤ۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

وہ ایک گوشے میں آ بیٹھے۔ میز پر کھانے پینے کا وافر سامان موجود تھا۔  
 قاسم نے پہلے تو شرما حضوری میں کھانے سے انکار کر دیا لیکن پھر جو انکے مزید اصرار  
 پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا ہے تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ میزبان دو انگڑی سی عورتیں ہیں۔ وہ  
 اسے حیرت سے دیکھے جا رہی تھیں اور قاسم کی نظر صرف اس پر تھی کہ کتنی پلٹیں باقی بچی ہیں۔  
 دفعتاً ان میں سے ایک اٹھ کر کسی طرف چلی گئی۔ دوبارہ واپس آئی تو قاسم نیپکن سے  
 ہاتھ صاف کر رہا تھا اور ساری پلٹیں خالی ہو چکی تھیں۔

اسی عورت نے قاسم سے کہا۔ ”کیا آپ اس زندہ دل بوڑھے سے ملنا ہی چاہتے ہیں۔“  
 ”جی ہاں۔ بہت جروری ہے۔۔۔۔۔!“ قاسم نے لمبی سی ڈکار لے کر کہا۔  
 ”یعنی وہ منحوس بڈھا آپ کے لیے ہم سے زیادہ اہم ہے کہ آپ ہماری کمپنی چھوڑ کر  
 اس سے ملنا چاہتے ہیں!“

”جج۔۔۔۔۔ جی نہیں۔۔۔۔۔ ایسی قوی بات نہیں اپنی ایسی کی تہی میں جائے۔۔۔۔۔ بہت دیتے ہیں  
 ایسے بڈھے۔۔۔۔۔ بھلا آپ لوگوں کو کون چھوڑنا چاہے گا!“  
 ”ہم طے کر چکے ہیں کہ اب آپ کو پریشان نہیں کریں گے۔۔۔۔۔ ایک ہفتہ ایک کے  
 ساتھ رہئے اور ایک ہفتہ دوسری کے ساتھ!“  
 ”نہیں!“ قاسم کی بانجھیں کھل گئیں۔

”یقین کیجئے۔۔۔۔۔ ہم نے بہت سنجیدگی سے فیصلہ کیا ہے۔“  
 ”ہی ہی ہی ہی۔۔۔۔۔ جی اب میں قیام عرض قروں کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے لیکن وہ  
 بڈھے صاحب رہتے کہاں ہیں!“

”اوہو۔۔۔۔۔ تو کیا آپ اس خطبی سے اتنے ہی متاثر ہوئے ہیں!“

”اچھے آدمی ہیں۔۔۔۔۔ اچھے آدمی ہیں۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔

”اچھی بات ہے تو پھر تم جاؤ پہلے اسی سے مل آؤ!“

”کہاں جاؤں۔۔۔۔۔!“

”یہ رہا اس کا پتہ!“ عورت نے ایک وزینگ کارڈ قاسم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

قاسم نے اسے دیکھا اور سر ہلا کر بولا۔ ”تو پھر جاؤں۔۔۔۔۔ بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔“

اور یہ کوئی نئی بات بھی نہ تھی کہ حمید اس سلسلے میں پوچھ گچھ شروع کر دیتا۔  
 فریدی ریسور رکھ کر گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ”ٹھیک پندرہ منٹ بعد تم عقبی پارک کی  
 طرف سے باہر جاؤ گے اور سیاہ رنگ کی ایک گاڑی تمہیں نئی قیام گاہ تک پہنچا دے گی۔۔۔۔۔ بقیر  
 ہدایات پھر ملیں گے۔“  
 حمید طویل سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔



کچھ دور چلنے کے بعد قاسم کی ذہنی رو پھر بہک گئی اور اس نے گاڑی گھر والے راستے  
 ٹے ہٹا کر اسی طرف ڈال دی۔ جہاں دونوں عورتوں اور ان کے ڈیڈی سے ملاقات ہوئی تھی۔  
 رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اس تفریح گاہ کی آبادی اب پہلے سے دوگنی ہو گئی تھی۔  
 قاسم انہیں چاروں طرف تلاش کرتا پھر رہا تھا۔۔۔۔۔ عورتوں سے زیادہ اسے بوڑھے کی  
 تلاش تھی۔۔۔۔۔ اس لیے ان دونوں پر خود اس کی نظر نہ پڑ سکی۔۔۔۔۔ اور بالآخر وہ دونوں ہی اس کے  
 پاس پہنچ گئیں۔

”ہمیں بے حد شرمندگی ہے!“ ایک بولی۔

”اب ہم آپس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔“ دوسری نے کہا۔ اور قاسم کے دانت نکل پڑے۔

”آپ کے والد صاحب کہاں ہیں؟“

”کون والد صاحب؟“ دونوں نے بیک وقت پوچھا۔۔۔۔۔ کچھ متحیر سی نظر آنے لگی تھی۔

”وہی۔۔۔۔۔ وہ جو مجھے اپنے ساتھ کیمین میں لے گئے تھے!“ دونوں ہنس پڑیں۔

”ارے وہ تو یوں ہی ایک خطبی سا بڈھا تھا۔ یہاں سب سے کہتا رہتا ہے کہ مجھے ڈیڈی

کہا کرو!“

”واقعی۔۔۔۔۔!“ قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”اور کیا۔۔۔۔۔ چلے ہماری میز پر چلے۔“

”میں صاحبزادے میں بوڑھا آدمی ہوں..... مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں!“

”پھر کیوں بانٹتے پھر رہے ہو!“

”اچھی بات ہے..... گاڑی روکو اور مجھے اتار دو.....!“

”اے تو ناراض کیوں ہوتے ہو..... کیا یہ جروری ہے کہ میرے گھر بھی چلو!“

”نہیں ضروری نہیں ہے..... میں اپنا ہینڈ بیگ چھوڑے جا رہا ہوں۔ اس میں پچاس

ہینکس موجود ہیں..... بس اگلی گلی میں گاڑی موڑ کر مجھے اتار دو!“

”بہت اچھا.....!“



دوسرے دن فریدی کو اپنے دفتر میں سعد آباد کے پولیس اسٹیشن کے انچارج کا پیغام ملا..... جس کے مطابق اس نے ایک آدمی کو اڑتالیس عینکوں سمیت گرفتار کیا تھا۔

فریدی ابھ گیا..... عینکوں سے متعلق یہ ہدایت اسی کی طرف سے جاری کی گئی تھی کہ جیسے ہی کوئی اس سلسلے میں پکڑا جائے اسے فوراً مطلع کر دیا جائے۔

سعد آباد کے پولیس اسٹیشن پر پہنچ کر اس کے ذہن کو زبردست جھٹکا لگا۔ کیوں کہ حوالات کی سلاخوں کے پیچھے اسے جو آدمی نظر آیا، وہ کیپٹن حمید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ پچھلی رات وہ اسی میک اپ میں تو گھر سے رخصت ہوا تھا۔

حمید نے اسے دیکھ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تھا۔

فریدی خاموشی سے انچارج کے آفس میں پلٹ آیا۔

”کس طرح ہاتھ لگا.....!“ اس نے خٹک لہجے میں انچارج سے سوال کیا۔

”بس مجھے اس پر شبہ ہوا تھا جناب..... یقین کیجئے بیگ میں پورے اڑتالیس چشمے

موجود ہیں۔“ انچارج نے جواب دیا۔

”بیگ کہاں ہے؟“

”بھولنا نہیں۔ ہم یہیں ملیں گے۔“

قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں ان سے رخصت ہوا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ایک بار پھر اس نے بوڑھے کے پتے والے کارڈ پر نظر ڈالی اور اسے جیب میں رکھ لیا۔ اس کے مطابق اسے چیتھم روڈ کی سولہویں عمارت میں جانا تھا۔

کار حرکت میں آئی اور وہ اسے بیک کرنے لگا..... دفعتاً پشت سے آوازی آئی۔ ”میں پچھلی سیٹ پر موجود ہوں..... بس اپنی کونٹھی کی طرف نکل چلو۔ وہیں باتیں ہوں گی!“

قاسم نے آواز پہنچان لی۔ اس بوڑھے کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

”جی..... بہت اچھا.....!“ قاسم نے دھڑکتے دل سے کہا۔

”میں تمہیں خوش کر دوں گا۔ میرے پاس بڑی عمدہ عمدہ چیزیں ہیں!“

”لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ چشمہ پولیس والوں نے چھین لیا ہے۔“ قاسم بولا۔

”بھلا یہ کیوں ہوا بر خور دار.....!“

”میرا ایک دوست ہے کیپٹن حمید! وہی جو مجھے اس کلب میں لے گیا تھا، اسی نے چھین

کر اپنے آفیسر قمرل فریدی کو دے دیا.....!“

”کیا تم ان دونوں سے ڈرتے ہو.....!“

”نہیں قیوں ڈرنے لگا!“ قاسم غرایا۔

”اچھا تو میں تمہیں ایسے پچاس چشمے دوں گا۔ اپنے دوستوں میں مفت تقسیم کر دینا!“

”اچھی بات ہے..... میں دیکھوں گا کہ وہ لوگ میرا کیا کر لیتے ہیں!“

”شباباش.....!“

”لیکن تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ میں انہیں تقسیم کر دوں.....!“

”ان دونوں سے بدلہ لینے کے لیے..... آخر انہوں نے تم سے وہ عینک کیوں چھینی۔“

”ہاں یہ تو ہے.....!“ قاسم کو یک بیک غصہ آ گیا۔ پھر اچانک ایک خیال کے تحت

کافور بھی ہو گیا اور اس نے بوڑھے سے کہا۔ ”میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں لے جاؤں گا!“

”کیوں؟“

”اگر تم نے وہاں عینک لگا کر دیکھنا شروع کر دیا تو!“

زفرار ہو جاؤں.... ایک بار موقع مل ہی گیا اور میں گلیوں سے گزرتا ہوا دوسری سڑک پر جا پہنچا۔ میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا تھا کہ میری شکل اچھی طرح ذہن نشین کر سکتا۔ بہر حال میں موٹر سائیکل تک پہنچنے نہیں پایا تھا کہ سعد آباد تھانے کے انچارج نے اپنے کچھ ہانسیلوں کے ساتھ مجھے گھیر لیا۔

”ہوں.....!“ فریدی نے طویل سانس لی اور فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”ہیلو۔“

”اوہ.....! کرٹل.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہوں۔ اؤں۔ فرمائیے.....!“

”اگر تمہارا یہی قیدی حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا تو کل کے اخبارات اس وقت کی تصویر چھاپیں گے جب وہ گرفتار کیا جا رہا تھا۔“

فریدی نے جواب میں کچھ کہنے سے قبل اپنا فون ڈکٹنگ کمپیوٹر سے منسلک کر دیا اور پھر بولا۔ ”تم مطمئن رہو میرے دوست قیدی غائب نہیں ہو سکتا۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ فریدی ریسیور رکھ کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا جس کے متحرک پرزوں کی ہلکی سی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ پھر اس کے ایک خانے سے ایک چھوٹا سا کارڈ باہر نکل آیا۔ کارڈ پر اس فون کے نمبر موجود تھے جس سے کال آئی تھی۔ اس کے بعد تین منٹ کے اندر ہی معلوم ہو گیا کہ فون کس کے نام پر الاٹ ہے۔

حمید اس دوران بالکل خاموش رہا تھا..... دفعتاً فریدی نے اس سے کہا ”تمہیں کم از کم دو گھنٹے تک محکمے کے لاک اپ میں رہنا پڑے گا اس کے بعد کوئی اور اسی میک اپ میں تمہاری جگہ لے گا.....!“

”یہ میری زندگی کا انتہائی حیرت انگیز واقعہ ہے!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”میں نے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ مد مقابل سنگ ہے.... دنیا کا ایک بہت بڑا شاطر۔ ابھی ابھی اس نے دھمکی دی تھی کہ تمہارا قیدی غائب ہو گیا تو کل کے اخبارات میں اس وقت کی تصویریں شائع ہو جائیں گی جب اسے حراست میں لیا جا رہا تھا۔“

انسپکٹر نے بیگ فریدی کے حوالے کر کے رسید حاصل کر لی۔

”ملازم کو بھی اپنے محکمے ہی کے لاک اپ میں رکھوں گا!“ فریدی نے کہا۔

”میں نے ابھی اس کا بیان نہیں لیا جناب.....!“

”فکر نہ کیجئے سب دیکھ لیا جائے گا۔ تعاون کا بہت بہت شکریہ!“

”کیا روزنامے میں بھی درج نہ کروں!“

”میرا خیال ہے کہ فی الحال اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کیجئے۔ یہ پہلا آدمی ہاتھ آیا ہے بے حد رازداری کی ضرورت ہے.... میں اپنے طور پر اس معاملے کو دیکھوں گا۔“

”تو پھر..... یہ رسید بھی غیر ضروری ہے.....!“ انچارج بولا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

انچارج نے عینکوں کی رسید چاک کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈال دی۔

فریدی حمید کو اپنے آفس میں لایا..... حمید خاموش تھا۔ راستے میں دونوں کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ ہتھکڑیوں سمیت لنکن کی پچھلی سیٹ پر تھا اور اس کے برابر سعد آباد تھانے کا ایک کانٹیبیل بیٹھا ہوا تھا۔

کانٹیبیل کے رخصت ہوتے ہی فریدی نے اس کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں اتاریں اور قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ ”اب ہونٹوں کے ٹانگے توڑ دو.....!“

”ہمیشہ دوسروں کی ہمدردی میں مار کھائی ہے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”میرے پاس وقت نہیں ہے.... غیر ضروری باتوں سے احتراز کرو.....!“

”صبح سے قاسم کی فکر میں تھا وہ گھر سے یہی ہینڈ بیگ لیے ہوئے نکلا تھا۔ خلاف معمول پیدل ہی ایک طرف چل پڑا..... میں نے بھی موٹر سائیکل دیں چھوڑ دی اور اس کا تعاقب کرنے لگا۔“

ایک جگہ اس نے ایک راگبیر کو روکا..... اور بیگ سے ایک عینک نکال کر اسے تھما دی۔

پھر وہ بیگ کا زپ کھینچنے بھی نہیں پایا تھا کہ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ بیگ میں بہت سی عینکیں دکھائی دیں..... اور میں بوکھلا گیا۔ میں نے سوچا اگر اس بیگ سمیت دھریا گیا تو ہمیں ہی بھگتنا پڑے گا لہذا میں تاک میں رہا کہ کسی مناسب سی جگہ پر اس کے ہاتھ سے بیگ چھین

”میں کہتا ہوں.... یہ خطرہ سے خالی نہ ہوگا!“

”کیوں؟“

”اگر سنگ ڈی۔ آئی۔ جی کو کسی طرح مطلع کر دے کہ قیدی میک اپ میں ہے تو۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ پھر بس کر بولا۔ ”اب تمہارا ذہن

جاگتے رہنے پر مصر ہے!“

اس نے حمید کی ایک ہتھکڑی نکال کر اپنے بائیں ہاتھ میں ڈال لی اور لاک اپ کا۔

راستہ چھوڑ کر پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑا۔

مگر لنکن کی بجائے محکمے کی ایک گاڑی کے قریب پہنچ کر رکا تھا۔ ڈرائیور نے بڑے

ادب سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دونوں اندر بیٹھ گئے۔

”موڈل ناؤن۔“ فریدی نے ڈرائیور سے اس وقت کہا جب گاڑی کمپاؤنڈ کے پھانک

سے باہر آ رہی تھی۔

اچانک گاڑی کے ڈیش بورڈ سے قہقہے کی آواز آئی اور دونوں بے ساختہ چونک

پڑے.... گاڑی سڑک پر تیز رفتاری سے چلی جا رہی تھی۔

بے بسی

ڈیش بورڈ سے قہقہے کی آواز....؟ محکمے کی عام گاڑیوں میں ٹرانسمیٹر نہیں تھے پھر یہ آواز

کیسی؟ لیکن ان کی حیرت جلد ہی رفع ہو گئی.....!

ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ”کنٹرل فریدی.... یہ تمہارے محکمے کی گاڑی نہیں ہے۔ ذرا میری

ذہانت کی وادو۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میری کال ریسیو کرنے کے بعد تم یہی کرو گے!“

”مسٹر سنگ ہی...!“ حمید زور سے چیخا۔ ”کیا تم میری آواز سن رہے ہو...!“

”میں سن رہا ہوں.... کیپٹن حمید۔“ ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔

”اوہو.....!“

”سعد آباد کے انچارج سے پوچھ چکھ کی جائے تو بالآخر یہی معلوم ہوگا کہ کسی نے خاص طور پر اس کی توجہ تمہاری طرف مبذول کرائی تھی!“

”اور میری دانست میں یہ مناسب نہ ہوگا۔“ حمید بولا۔

”قطعاً نہیں!“

”فون نمبر کس کا ہے؟“

”ایک سرمایہ دار عورت کا۔“

”شہر میں ایک ہی ہے.... مادام شہر زاد.....!“

”تم ٹھیک سمجھ.... لیکن سنگ اتنا احمق نہیں ہو سکتا!“

”میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں!“

”ٹھہرو بتاتا ہوں۔“ فریدی نے فون کی طرف ہاتھ بڑھا کر وہی نمبر ڈائل کرتے

ہوئے کہا جو کمپیوٹر نے فراہم کیے تھے۔

ریسیور کان سے لگائے کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ”لائن ڈیڈ ہے،

دوسری طرف گھنٹی نہیں بج رہی!“

اس کے بعد اس نے ایکسچینج سے رابطہ قائم کر کے معلوم کیا تھا کہ مذکورہ فون خراب ہو گیا

ہے اور ابھی تک اس کی مرمت نہیں ہوئی۔

”پھر کمپیوٹر نے وہ نمبر کیوں دیئے۔“ حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ اس طرح ممکن ہے کہ سنگ کی کال خواہ کسی فون سے ہوئی ہو.... اس نمبر کے فون

کے میٹر سے کنکٹ کر دی گئی ہوگی!“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی آپریٹر بھی سنگ کے لیے کام کر رہا ہے!“

”فی الحال یہی کہا جاسکتا ہے....!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اب حوالات کی

طرف تشریف لے چلے!“

اس نے دوبارہ حمید کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں اور لاک اپ کی طرف لے

چلا۔ آہستہ آہستہ اس سے کہتا جا رہا تھا۔ ”رات سے پہلے شاید تمہاری گلو خلاصی نہ ہو سکے....!“

حمید سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا.... حالات قابو سے باہر نظر آرہے تھے! گاڑی ایسے  
ساتوں سے گزر رہی تھی جہاں ٹریفک کنٹرول کے سگنل نہیں تھے۔ اس لیے ابھی تک کہیں بھی  
گاڑی کے رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔

”آپ کیا سوچ رہے ہیں!“ حمید نے اونچی آواز میں فریدی سے پوچھا۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ رات کے کھانے میں کسی قدر تبدیلی ضرور ہونی چاہیے۔“

”ہاں آں.... رات کا کھانا دوپہر کو بھی کھایا جاسکتا ہے!“

”ہلو.... کرنل فریدی!“ ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ”کیا کوئی تدبیر سوچ گئی ہے؟“

”مجھے تو وقت پر ہی سوچتی ہے سنگ۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں تم سے صرف ایک بات

پوچھنا چاہتا ہوں۔ آخر عینکوں والے گھٹیا پن کی کیا ضرورت تھی!“

”ہے ہے.... کرنل.....! تم اسے گھٹیا پن کہتے ہو!“ ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔

”مہذب دنیا کے لیے اس سے بڑا کمینہ پن اور کوئی نہیں!“

”میں کمینہ پن میں بھی حسن تلاش کر لیتا ہو کرنل.....!“

”اچھی بات ہے.... میں دیکھوں گا کہ تم کتنے حسن پرست ہو۔“

”اوہو.... تو کیا میری ضیافت کا انتظام کرو گے!“

”بہت بڑی ضیافت.....!“

”شکر یہ کرنل فریدی۔ میں اپنی بہتر دعاؤں میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“

گاڑی اب شہر کے ایک ایسے علاقہ میں داخل ہو رہی تھی جہاں بڑے تاجروں کے

گودام تھے۔ بندرگاہ کا نواحی علاقہ تھا۔

یہاں تو رفتار اور بھی تیز ہو گئی کیونکہ سڑکیں سنسان پڑی تھیں.... اچانک بریک

چڑھنے اور گاڑی دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ وہاں کئی مسلح آدمی ریوالور تانے کھڑے تھے۔

بہت بڑا گودام تھا جہاں مختلف جگہوں پر لکڑی کی پیٹیاں چبی ہوئی تھیں۔

ڈرائیور نے نیچے اتر کر ان کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا لیکن فریدی پہلے ہی حمید کو

اشارہ کر چکا تھا کہ گاڑی سے نیچے نہ اترے۔

پھر دو مسلح آدمی غالباً انہیں اتارنے ہی کے لیے آگے بڑھے تھے کہ اچانک فریدی کی

”یہ میری کم عقلی کا نتیجہ ہے کہ ہم اس گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں ورنہ کرنل صاحب تو  
مجھے لاک اپ ہی کی طرف لے جا رہے تھے!“

”کچھ بھی ہو....!“ ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ”وارننگ.... یہ ڈرائیور ہے تو آدمی

ہی.... لیکن اسے مشینی آدمی سمجھو.... اگر تم نے اسے روکنے کی کوشش کی تو گاڑی دھماکے کے

ساتھ تباہ ہو جائے گی!“

فریدی اپنے اور حمید کے ہاتھ سے ہتھکڑیاں نکال رہا تھا.... حمید نے اس کی آنکھوں میں

ذرا برابر بھی تشویش نہ دیکھی۔

ہتھکڑیاں نکال لینے کے بعد وہ سگار سلگانے لگا تھا.... گاڑی تیزی سے سڑکیں ناپتی رہی۔

ڈیش بورڈ سے پھر آواز آئی۔ ”کرنل فریدی.... کیا تم مجھے منہ لگانا پسند کرو گے؟“

”دل تو نہیں چاہتا.... مگر خیر۔“ فریدی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”تم اب تک ان دونوں عورتوں سے کیا معلوم کر سکے ہو!“

”کچھ بھی نہیں.....!“

”پھر انہیں روکے رکھنے کا فائدہ.....؟“

”کیا یہ فائدہ کم ہے کہ تم عنقریب میرے ہتھے چڑھنے والے ہو!“

”شاید یہ تمہارا آخری سفر ہو کرنل فریدی!“

”جب سے پیدا ہوا ہوں آخری ہی سفر میں ہوں!“

”اچھی بات ہے تم دیکھ ہی لو گے.....!“

”مسٹر سنگ!“ حمید نے ہانک لگائی۔

”تم کیا کہنا چاہتا ہو.... کیپٹن.....!“

”ان عینکوں میں سے ایک بھی میرے ہاتھ نہ لگ سکی!“

”تم کیا کرو گے عینک.... تمہارے آس پاس کرنل فریدی کے علاوہ اور کون پایا جاتا ہے۔“

”میں تو اب تمہارے ہی پاس رہنا چاہتا ہوں.....!“

”ضرور۔ ضرور۔ میرے ہی پاس آرہے ہو....!“

فریدی نے حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔



بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وہ غالباً سمجھے تھے کہ اتنے مسلح آدمیوں کی موجودگی میں یہ دونوں ہاتھ بھی نہ ہلا سکیں گے۔

گاڑی اب بھی وہیں کھڑی تھی، جہاں روکی گئی تھی۔

دفعۃً ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ”اچھا کرل فریدی اب جتنی جلد ممکن ہو۔ گودام سے باہر نکل جاؤ۔۔۔۔۔ گاڑی دھماکے کے ساتھ تباہ ہونے والی ہے۔ میں اپنا یہ عجوبہ تمہارے ہاتھ نہیں لگنے دوں گا۔“

فریدی حمید کو اشارہ کرتا ہوا تیزی سے پھانک کی طرف جھپٹا۔

پھر جیسے ہی وہ باہر نکلے تھے ایک زبردست دھماکہ ہوا تھا۔ کئی مزدور منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ دھوکں کا کثیف بادل پھانک سے گزر کر باہر نکل رہا تھا جتنے بھی وہاں موجود تھے۔ سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔

ایک گھنٹے بعد فریدی اپنے روزنامے میں تحریر کر رہا تھا کہ کس طرح ایک آدمی عینکوں کے سلسلے میں ہاتھ لگا تھا اور کس طرح اس کے خطرناک ساتھیوں نے اسے رہائی دلائی۔۔۔۔۔ حمید روزنامے کو پڑھتے وقت مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

”ہاں ٹھیک تو ہے۔“ فریدی بولا۔ ”سنگ نے اپنے کیے کرائے پر خود ہی پانی پھیر دیا۔

اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو میں تمہارے سلسلے میں خاصی دشواری میں پڑ جاتا۔“

”آخر تمہارے کی وہ گاڑی اور ڈرائیور کہاں ہے جس کی آڑ میں سنگ یہ سب کچھ کر گزرا۔“

حمید نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

”ہوں۔ اؤں۔۔۔۔۔ یقیناً وہ کسی دشواری میں پڑا ہو گا اس کی تلاش کے لیے احکامات

جاری کر دیئے گئے ہیں۔“



دا

قاسم سے بیگ چھن گیا تھا لیکن اس نے اس میں سے اپنے لیے ایک عینک پہلے ہی

نکال لی تھی اس لیے اس کی پرواہ نہیں تھی، کہ بیگ چھینا کیوں گیا، نہ اس کی فکر تھی کہ چھیننے والا

لات درانیور کے پیٹ پر پڑی اور وہ اچھل کر ان دونوں مسلح آدمیوں پر جا پڑا۔۔۔۔۔ حمید غیر مسلح تھا لیکن اچھی طرح جانتا تھا کہ اب کیا ہو گا اس لیے وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔

کئی طرف سے ”خبردار۔ خبردار“ کی آوازیں آئیں لیکن اتنی دیر میں فریدی کے ریوالتور سے نکلا ہوا شعلہ ایک کوچاٹ چکا تھا۔

پھر اس نے بھی اسی دروازے سے نیچے چھلانگ لگائی جسے حمید نے استعمال کیا تھا۔۔۔۔۔ دوسرے ہی لمحوں میں دونوں پیٹیوں کے ایک انبار کی اوٹ میں تھے۔ فریدی نے پے درپے دو فائر اور کیے۔۔۔۔۔ لیکن نشانہ کوئی بھی نہیں تھا حمید کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ آخر فریدی نے دو کارتوس کیوں ضائع کر دیئے۔ ویسے وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔

پھر شاید بھاری بھر کم آہنی پھانک کھولا گیا۔ فریدی نے ایک فائر اور کیا۔۔۔۔۔ اس کے بعد سنانا چھا گیا۔ گودام میں اب شاید ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

وہ پیٹیوں کی اوٹ سے باہر نکلے۔۔۔۔۔ واقعی وہ لوگ نکل بھاگے تھے صرف ایک مسلح آدمی کی لاش وہاں پڑی تھی۔

”اب میں سمجھا کہ آپ نے تین کارتوس کیوں ضائع کر دیئے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”جلدی کرو۔ پیٹیوں کے پیچھے جا کے اپنا میک اپ ختم کرنے کی کوشش کرو۔“ فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔ ”فائروں کی آوازیں سننے والے آس پاس کے لوگ یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے!“

حمید پیٹیوں کے پیچھے جا کے اپنے چہرے سے نرم پلاسٹک کے ٹکڑے نکالنے لگا۔ ریوالتور کے بغیر چہرے کی کھال ادھڑتی سی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ پھر بھی وہ بڑی بیدردی سے اپنے اوپر مشق ستم کرتا رہا۔

ذرا ہی سی دیر میں گودام پھر آباد ہو گیا۔۔۔۔۔ آس پاس کام کرنے والے مزدور اندر گھس آئے تھے۔

فریدی نے پولیس کا نعرہ لگایا اور ان سے کہا کہ وہ باہر ہی ٹھہریں!۔۔۔۔۔ حمید اس کے قریب کھڑا سوچ رہا تھا کہ ان ہوائی فائروں ہی نے سنگ کے آدمیوں کو



کون تھا..... گھر سے نکلا تھا عینکس تقسیم کرنے اور پھر گھر ہی کی طرف واپسی ہوئی تھی۔  
اس نے سوچا کہ اگر بیگ کسی پولیس والے نے چھینا تھا تو اسے بھاگ نکلنے کی کیا ضرورت  
تھی..... یقیناً وہ کوئی ایسا ہی ویسا آدمی تھا جو عینکوں کے چکر میں اس کے پیچھے لگ گیا تھا۔  
اس وقت وہ اپنی خواب گاہ میں کوئی مناسب سی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ جہاں اس عینک کو  
دوسروں کی نظر سے چھپا کر رکھ سکے۔

بیوی نے اسے ایک ہینڈ بیگ سمیت کوشی سے پیدل ہی نکلنے دیکھا تھا اور واپسی پر وہ  
خالی ہاتھ نظر آیا تھا، اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ وہ کچھ چور چور سا لگ رہا تھا۔  
قاسم اور پیدل گھر سے نکلتا.....؟ کچھ انہونی سی تھی، لہذا اس کی بیوی کا الجھن میں  
پڑ جانا لازمی ٹھہرا..... تاک میں تو تھی ہی..... اس نے اسے الماری میں کچھ چھپاتے دیکھ لیا۔  
قاسم جب دوپہر کے کھانے کے لیے ڈائننگ روم میں پہنچا تو بیوی میز پر موجود نہیں تھی۔  
”ہونہہ! بڑی خوشی ہوئی۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا کرسی پر جم گیا..... ابھی کھانا شروع نہیں کیا  
تھا۔ بیوی آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔  
عینک اس کے ہاتھ میں دیکھ کر قاسم بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ میں جو اٹھا تو نہ صرف  
میز الٹ گئی بلکہ وہ خود بھی لاکھ سنہیلے کے باوجود کرسی سمیت فرش پر آ رہا۔  
”اب اس قسم کی ذلیل چیزیں گھر میں آنے لگی ہیں۔“ اس کی بیوی حلق پھاڑ کر چیختی۔  
اور دوسرے ہی لمحے میں وہ عینک سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔

”مارڈالوں غا..... زندہ نہیں چھوڑوں گا.....!“ قاسم غراتا ہوا اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔  
بیوی سمجھی تھی شاید چوری پکڑی جانے پر وہ نزوس ہو جائے گا لیکن برعکس رد عمل دیکھ کر وہ  
خود ہی بوکھلا گئی۔

قاسم پر گویا خون سوار ہو گیا تھا۔ جیسے ہی اٹھا وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔  
قاسم کی داڑیوں پوری عمارت میں گونج رہی تھیں اور اس ایک جملے کے علاوہ اور کچھ  
زبان سے نہیں نکل رہا تھا۔

”مارڈالوں غا!“

بیوی نے اپنی خواب گاہ میں گھس کر دروازہ بولٹ کر لیا۔

”نقلو باہر..... میں سچ کہتا ہوں چندہ نہیں چھوڑوں غا!“ وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر چیختا رہا۔  
”چلے جاؤ..... ورنہ بچا جان کوفون کرتی ہوں.....!“ وہ اندر سے بولی۔  
”بچا جان کے بھی دادا جان کوفون کر دو..... لیکن میں آج تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں غا!“  
”تم کمینہ پن کرتے پھر اور میں کچھ نہ کہوں!“ بیوی نے اندر سے کہا۔  
”ارے تجھے تو نہیں دینا تھا۔ عینق لغا قمر..... پھر کیوں مری جا رہی ہے!“  
”اے زبان سنجال کے.....!“

”لانت ہے مجھ پر اغراب اس گھر میں رہوں، کر دو فون بچا جان کو..... ایسی قی تھی!“  
پھر وہ بھوکا پیاسا گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا..... کچھ دیر یونہی بے مقصد سڑکوں پر گاڑی  
دوڑاتا پھرتا تھا۔ پھر خیال آیا کہ وہ بھوکا ہے۔

ایک ہوٹل میں کھانا کھایا۔ دوبارہ آوارہ گردی شروع کر دی۔  
پینہ نہیں کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خوب دھاڑیں مار مار کر روئے آچانک اُسے  
خیال آیا کہ اس بوڑھے کا کارڈ جو پچھلی رات کچم کچم عورت سے ملا تھا۔ اس کے کوٹ کی جیب  
میں موجود ہے..... کیوں نہ اس پتے پر اس سے ملنے کی کوشش کی جائے۔ اس خیال نے اس  
کے چہرے پر پھر تازگی پیدا کر دی..... ہو سکتا ہے وہ اس کی نئی پتاسن کر ایک اور عینک عنایت  
کر دے۔

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسپور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے کوڈورڈز میں اطلاع  
ملی کہ قاسم چیتھم روڈ کی ایک عمارت میں داخل ہوا ہے جس پر کسی ڈاکٹر غوری کے نام کی تختی  
لگی ہوئی ہے۔ عمارت سے متعلق مزید معلومات حاصل کر کے فردی نے ریسپور کریڈل پر رکھ دیا  
اور حمید سے پوچھا۔ ”کیا تم قاسم کے ملنے والوں میں سے کسی ڈاکٹر غوری کو جانتے ہو!“  
”ڈاکٹروں سے اسے شدید نفرت ہے لہذا وہ اس کا دوست نہیں ہو سکتا۔“

”ڈاکٹروں سے نفرت ہے!“

میں کہا۔  
 فریدی سگار کیس سے سگار نکال کر اس کا گوشت توڑنے لگا تھا۔ حمید کے اس ریمارک پر  
 اس نے کچھ نہیں کہا۔  
 ”کیا میں قاسم کو فون کروں۔“ حمید نے پوچھا۔  
 ”ہوں..... اوں.....!“ فریدی سگار سگا کر ڈائریکٹری کی درق گردانی کرنے لگا۔  
 حمید نے قاسم کے نمبر رنگ کیے..... کچھ دیر بعد دوسری طرف سے قاسم ہی کی آواز سنائی  
 دی۔  
 ”تو ہے!“  
 ”میں حمید بول رہا ہوں!“ بہت نرم لہجے میں کہا گیا۔  
 ”قیوں مجھ کو پور کر رہے ہو!“  
 ”تمہاری خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں!“  
 ”مر گیا ہوں..... اب فون نہ قرنا!“  
 ”اگر بہت زیادہ مر گئے ہو تو آ جاؤں!“  
 ”جی نہیں آپ کے تشریف لانے کی جرورت نہیں.....!“  
 ”اگر میں تشریف نہ لایا تو پولیس پہنچے گی..... ڈاکٹر غوری نے تمہارے خلاف رپورٹ  
 درج کرائی ہے!“  
 ”حرامی ہے سالا.....!“ قاسم طلق پھاڑ کر دہاڑا۔  
 ”تو تم نے اسے مارا ہے!“  
 ”جھوٹا ہے..... دعا باز ہے..... اچھا آ جاؤ!“  
 حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔ وہ پہلے ہی اسے گھورے جا رہا تھا۔  
 ”تم نے ڈاکٹر غوری کا حوالہ کیوں دیا.....!“ اس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔  
 ”اسی حوالے سے توہ اسے گالیاں دینے لگا تھا اور اس پر رضا مند ہوا ہے کہ میں اس  
 سے مل لوں۔“  
 ”ہوں..... دفع ہو جاؤ.....!“ فریدی نے پُر فکر لہجے میں بڑبڑایا۔

”جی ہاں..... وہ کہتا ہے کہ ڈاکٹروں ہی کی عنایت سے وہ پہاڑ ہو گیا ہے جب وہ ماں  
 کے پیٹ میں تھا تو ڈاکٹروں نے اسے ایسی دوائیں استعمال کرائی تھیں کہ پیدا ہونے سے  
 پہلے ہی قاسم کے جسمانی نظام میں پہاڑ بن جانے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھیں!“  
 فریدی برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا..... شام کے سات بجے تھے اندھیرا  
 پھیلنے لگا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔  
 دفعتاً فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”اب یہ کھیل ختم ہی ہونا چاہیے۔“  
 ”کوئی صورت نظر نہیں آتی۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اب اس سے بڑی  
 بے بسی اور کیا ہوگی کہ میں حوالات میں پہنچ گیا..... اور پھر دونوں ہی اس طرح کشاں کشاں  
 سنگ کی حضور میں پہنچنے والے تھے!“  
 فریدی کے ہنزون پر عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی۔ جسے حمید کوئی معنی نہ پہنچا۔  
 وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اس بار پھر کوڈ درڈز ہی میں کوئی پیغام آیا  
 تھا۔ سامنے رکھے ہوئے لیٹر پیڈ پر فریدی کی پینل تیزی سے چلتی رہی۔  
 کال کے اختتام پر وہ ریسیور رکھ کر پُر فکر انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگا۔  
 ”کیا بات ہے؟“  
 ”قاسم۔“ فریدی نے طویل سانس لی۔  
 ”کیا ہوا؟“  
 ”ڈاکٹر غوری کی کوشی سے اس حال میں برآمد ہوا ہے کہ کپڑے تار تار ہیں جسم پر متعدد  
 خراشوں سے خون بہہ رہا ہے!“  
 حمید اٹھ کھڑا ہوا۔  
 ”بیٹھو..... بیٹھو.....!“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”وہ یہاں سے سیدھا اپنے گھر گیا ہے.....!“  
 ”آخر یہ ہے کیا چکر..... وہ کیوں تختہ مشق بنایا جا رہا ہے!“  
 ”اسے نہ بھولو کہ سنگ تقریباً جرائم کرنے والوں میں سے ہے ان واقعات سے اس کی  
 کوئی حس بھی تسکین پا رہی ہے!“  
 ”اور شاید آپ بھی اس کی ان حرکتوں سے محظوظ ہو رہے ہیں!“ حمید نے طنزیہ لہجے

”ہائے غضب..... جھوٹا لپاڑیا.....!“ قاسم نے اپنے سینے سر دھڑ چلاتے ہوئے کہا۔  
 ”خود ہی تو اس خرامزادے نے مجھے وہ بینڈ بیگ دے کر کہا تھا کہ اپنے دوستوں میں تقسیم کر دینا۔ میں نے ایک ہی تقسیم کی تھی کہ پتہ نہیں کون الو کا پٹھا میرے ہاتھ سے بینڈ بیگ اچک لے گیا!“

الو کے پٹھے نے خاموشی سے ٹھنڈی سانس لی اور خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا پھر بڑی ڈھٹائی سے بولا۔ ”اچھا تو چلو میرے ساتھ اس کا گھر دکھاؤ..... میں نپٹ لوں گا۔“  
 ”جرور چلوں گا..... بلغل چلوں گا..... تم جیسا دوست ساتھ ہو تو میں کتوں کی ہڈیاں بھی چبا جاؤں۔“



حمید نے قاسم کو اپنی ہی گاڑی میں بیٹھنے کی دعوت دی تھی..... جیسے ہی وہ اگلی سیٹ پر اس کے برابر بیٹھا..... عقب سے کسی ننھے بچے کی آواز آئی ”اللہ خیر ٹوٹی سیٹ.....!“  
 ”قون ہے بے۔“ قاسم نے جھلا کر مڑنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔  
 ”کوئی بھی نہیں!“ حمید اس کا شانہ تھپک کر بولا اور انجن اشارٹ کر دیا۔  
 ”تم جھوٹے ہو..... آخر ہے کون.....!“  
 کار حرکت میں آگئی تھی۔ حمید خاموشی سے اسٹیرنگ کرتا رہا۔ پشت سے کچھ دیر بعد پھر وہی آواز آئی۔ ”آپ کا وزن کتنا ہے..... جناب عالی!“  
 ”دیکھو حمید بھائی..... یہ کھلا ہوا حرامی پن ہے.....!“ قاسم بھنا کر بولا۔  
 ”میں مجبور ہوں.....“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”اس کی زبان کسی طرح بند نہیں کرائی جا سکتی!“

”آخر ہے قون!“

”میری..... نئی محبوبہ۔“

”اے جاؤ..... کسی بچے کو سکھا پڑھا کر پیچھے بٹھا دیا ہے۔ اب کیا میں اتنا..... ہوں!“

پھر حمید کہاں رکنے والا تھا..... سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ سنگ ہی کے سلسلے میں شدید جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ حوالات تک نوبت پہنچ جانے کی بناء پر جو شرمندگی اٹھانی پڑی تھی، اس کا تقاضا یہی تھا کہ سر تھیلی پر رکھ کر سنگ ہی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔

دس منٹ بعد وہ قاسم کی قیام گاہ پر پہنچ گیا..... ملازموں سے معلوم ہوا کہ قاسم نے خواب گاہ کا دروازہ بند کر رکھا ہے..... اور بیوی مائیکے چلی گئی ہے۔

حمید کی آواز سن کر اس نے خواب گاہ کا دروازہ کھول دیا اور چھوٹے ہی بولا۔ ”وہ بوڑھا خبیث..... جھوٹا ہے..... دعا باز ہے!“

حمید نے اس کے چہرے اور بازوؤں پر خون آلود خراشیں دیکھیں۔

”جھگڑا تو ہوا ہے، دوست کسی سے؟“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”پوری بات سنو!“ قاسم بہت زور سے دھاڑا۔

”بات ہی سننے کے لیے آیا ہوں..... ڈاکٹر غوری سے تمہارا کیا تعلق!“

”اسی نے تو مجھے عینکیں دی تھیں! آج اسکے گھر گیا تو سالے نے مجھ پر کتے چھوڑ دیئے۔“

”سوال تو یہ ہے کہ تم کیوں گئے تھے اس کے گھر!“

”تیسری عینک کے لیے..... ایک تم ہضم قرعے..... دوسری اس گلہری کی بچی نے توڑ دی۔“

”خدا اسے عارت نہیں کرتا تو مجھے ہی قردے!“

”اس گلہری کی بچی کو دکھائی ہی کیوں تھی؟“

”چھپا کر رکھی تھی..... ٹوہ میں رہتی ہے نا..... دیکھ لینا اس کی قبر سے جرور دھواں اٹھے گا..... شوہر کا جی جلاتی ہے بخشی نہ جائے گی۔“

”اور تم اس عینک سمیت بخش دیئے جاؤ گے..... جسے لگا تو نیک بندے بھی ننگے نظر آنے لگتے ہیں۔“

”اچھا بس بس..... چلتے پھرتے خبر آؤ..... تم قون بہت اچھے ہو..... جو مجھ پر لانت بھیجنے چلے آئے۔“

”خیر ختم کرو..... اس بوڑھے نے رپورٹ درج کرائی ہے کہ قاسم ولد عاصم ایک بینڈ بیگ میں عینکیں مفت تقسیم کرتا پھر رہا تھا، میں نے اعتراض کیا تو مجھ بوڑھے پر ہاتھ چھوڑ بیٹھا!“

”اتنا، کے ساتھ اس نے ایک لکڑارگالی استعمال کی تھی۔“

پشت سے آواز آئی ”موٹا“ اور موٹا کے ساتھ وہی گالی بھی موجود تھی۔

”چپ رہو ڈارلنگ.... یہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔“ حمید بولا۔

”اندر کی جی جلا دو..... دیخو غا۔“

پشت سے آواز آئی۔ ”ڈارلنگ موٹے کی زبان سمجھ میں نہیں آتی!“

”میں کہتا ہوں گاڑی روکو..... ٹھیکے پر ہے ایسی دوستی۔ میں تم سے کوئی مدد نہیں چاہتا۔“

”تمہیں تو وہم ہو گیا ہے۔“ حمید نے گاڑی سڑک کے کنارے اتار کر بڑیک لگاتے

ہوئے کہا اور ساتھ ہی اندر کی لائٹ بھی جلا دی۔

قاسم گاڑی سے اتر کر پچھلی سیٹ کی طرف پہنچا۔

”ہائیں۔ یہاں تو توئی بھی نہیں ہے۔“ اس نے پہاڑ سامنے پھاڑ کر حیرت ظاہر کی۔

”میں اتنی بڑی آپ کو نظر نہیں آرہی۔“ وہی آواز پھر آئی اور قاسم بھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

حمید بھی گاڑی سے اتر آیا تھا اس کے قریب پہنچا تو قاسم آہستہ سے بولا۔ ”یہ وہی چمکیلا

بھوت تو نہیں بول رہی۔“

”بھوت بولتا ہے بولتی نہیں۔“

”وہ خود ہی کہہ رہا ہے کہ اتنی بڑی آپ کو نظر نہیں آرہی!“

”کہاں ہے وہ بھوت!“

”دکھائی تو نہیں دیتا۔“ قاسم کی آواز کانپ رہی تھی۔

”بھوت نہیں..... میری محبوبہ ہے..... ادھر آؤ میں دکھاؤں!“

حمید اسے پچھلی سیٹ کی طرف لے آیا اور پشت گاہ کے اوپر بائیں جانب بیک اسکرین

کی جانب اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”وہ دیکھو۔“

ایک خوبصورت سنہرے بنجرے میں ایک مینا بیٹھی نظر آئی۔

”یہ رہی میری محبوبہ۔“ حمید نے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”محبوبہ نہیں بیوی۔“ مینا بولی..... اور قاسم پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

”بیوی کہتے ہوئے آپ کو کیوں شرم آتی ہے پکتان صاحب.....! اکیلے میں تو بیوی ہی

کہتے ہو۔“ مینا نے پھر کہا۔

”ارے باپ رے..... ارے باپ رے.....!“ قاسم پیٹ دباے بری طرح ہنس رہا تھا۔

”چلو بیٹھو گاڑی میں۔“ حمید اس کا بازو پکڑ کر جھکادیتا ہوا بولا۔

”ارے ہی ہی ہی..... اب میں تمہیں نہ جاؤں غا..... ہائے میری مینا بھابی ابا

بڑے سور ہو حمید بھائی..... میں نے تمہارے سب قصور ماف کر دیے، ہائے..... ہائے..... میں

جرا اپنی بھابی سے باتیں قروں غا..... چلو گھر واپس۔“

”یہ کیا لغویت ہے چلو!“

”نہیں توئی بات نہیں..... اس سالے ڈاکٹر کو ڈالو چو لہے میں..... میں مینا بھابھی..... سے

باتیں قروں غا.....!“ قاسم نے کہا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی ہاتھ

بڑھا کر ڈیش بورڈ سے کنجی بھی نکال لی۔

”یہ کیا حرکت..... لاؤ کنجی لاؤ.....!“ حمید اس سے کنجی چھیننے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

”ہائیں مجھ سے ہاتھ پائی قرو غا!“

حمید کھڑا بے بسی سے ہاتھ ملتا رہا۔ قاسم حمید سے ٹھٹھول کر رہا تھا۔

”تمہاری ایسی ہی بیوی ہونی چاہیے..... اس آدمی تی..... واہ مینا بھابی..... واہ ہی ہی ہی.....!“

”تمہاری بیوی کیسی ہے.....؟“ مینا نے سوال کیا۔

”شتر مرغ کی مادہ ہے.....!“ حمید نے جھلا کر کہا۔

”اے تو کاٹنے قیوں دوڑ رہے ہو.....!“ قاسم ہنس کر بولا۔ بڑے اچھے موڈ میں

معلوم ہوتا تھا وہ نہ شاید شتر مرغ کی مادہ پرالچہ پڑتا۔

دفعاً ایک گاڑی ان کے قریب ہی آ کر رکی۔

”قاسم کو ادھر بھیج دو.....!“ گاڑی سے فریدی کی آواز آئی۔

”یہ قیا مصیبت آگئی!“ قاسم نے سامنے بنا کر بڑبڑایا..... اتنے میں آگے پیچھے تین

گاڑیاں اور آکر کیں.....!

”چلو..... جاؤ.....!“ حمید آہستہ سے بولا۔

”ایسی کی تھی.....!“ قاسم بھنا کر گاڑی سے اتر گیا اور فریدی کی گاڑی کے قریب پہنچ

”کس کی لاش؟“

”شاید یہاں اس کی لاش کی شناخت کے لیے سوا فرام ہو سکے!“

وہ دروازے کے قریب ہی رک گئے تھے اور فریدی ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

دفعتاً وہ ایک میز کی جانب بڑھا۔ حمید کی توجہ بھی اس کی طرف مبذول ہوئی میز پر وہ عورت تنہا تھی۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے کسی کی منتظر ہو۔

فریدی کو اپنے قریب دیکھ کر چونکی۔

”کیا میں مادام شہر زاد سے شرف ہمکامی حاصل کر رہا ہوں۔“ فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔ فرمائیے! عورت نے متخیرانہ انداز میں پلکیں چھپکائیں۔

”میرا کارڈ۔۔۔!“ فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اوہو۔۔۔!“ کارڈ پر نظر پڑتے ہی وہ کرسی سے اٹھ گئی۔

حمید کو اس کے انداز میں سراپسیگمی نہیں محسوس ہوئی تھی۔

”بیٹھے۔۔۔ تشریف رکھیے۔۔۔ میری خوش نصیبی!“ وہ پُر اشتیاق لہجے میں بولی۔

”شکریہ!“ فریدی اس کے سامنے والی کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

”آپ بھی جناب!“ اس نے حمید سے کہا۔

حمید نے اسے دور ہی سے دیکھا تھا، کبھی مل بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا دولت مند طبقے میں اس کے حسن کے چرچے تھے اور خود بھی شہر کے بڑے سرمایہ داروں میں شمار کی جاتی تھی۔

عمر میں سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ ویسے دیکھنے میں اس سے بھی کم کی لگتی تھی۔

وہ بھی اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

”مجھے حیرت بھی ہے اور مسرت بھی!“ شہر زاد ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔

”لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لایا!“

”کیا مطلب؟“

”آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر آصف۔۔۔!“

کر بولا۔ ”جی نہیں شکریہ۔۔۔ میں پیدل چلا جاؤں گا۔“

”تم جس عمارت میں گئے تھے۔۔۔ وہاں ایک لاش کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔“ فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

”م۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں تو۔۔۔ میں کسی عمارت میں نہیں گیا تھا۔۔۔ میں کیا جانوں!“

”فی الحال گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔۔۔ تاکہ تمہیں گھر پہنچا دوں۔“

”جج۔۔۔ جی۔۔۔ بہت بہت شکریہ۔“

”تم پیچھے آؤ۔۔۔!“ فریدی نے حمید سے کہا۔

قاسم کو اس کے گھر پر اتارنے کے بعد فریدی کی گاڑی آگے بڑھ گئی تھی اور حمید تھوڑے

فاصلے پر اس کے پیچھے آ رہا تھا۔۔۔ وہ تین گاڑیاں اب اسے نظر نہیں آ رہی تھیں جو قاسم کے قصبے کے وقت وہاں رکی تھیں۔

حمید نے فریدی کی زبانی ڈاکٹر غوری والی عمارت میں پائی جانے والی لاش کے بارے میں سنا تھا اور اب تفصیل معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی کی گاڑی ہائی سرکل ٹائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

پارکنگ شیڈ میں پہنچ کر حمید آہستہ سے بولا۔ ”بی بی۔۔۔ میری واپسی تک بالکل خاموش

رہنا۔۔۔ فادر کی موجودگی میں تمہارا پنجرہ ساتھ نہیں لے جاسکتا۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں تنہا نہیں رہ سکتی۔۔۔!“

”خند نہیں بی بی۔۔۔ ورنہ تم میں اور ایک عورت میں کیا فرق رہے گا۔“

حمید نے کہا اور پارکنگ شیڈ کے نگراں کو اشارے سے بلا کر مینا سے متعلق کچھ ہدایات

دیں۔۔۔ اس کے بعد وہ دونوں ہائی سرکل کے ڈائمنگ ہال میں داخل ہوئے تھے۔

”آپ نے اس سے کس کی لاش کا ذکر کیا تھا۔“ حمید نے فریدی کے قریب پہنچ کر

آہستہ سے پوچھا۔

”اس عمارت سے ڈاکٹر غوری کے نام کا بورڈ ہٹایا جا چکا ہے۔۔۔ اور ایک لاش کے علاوہ

وہاں اور کچھ نہیں ملا۔“

”مجھے گہرا صدمہ پہنچا ہے.... پھر بھی میں کوشش کروں گی!“

”کیا مسٹر آصف جوارى تھے!“

”نہیں قطعی نہیں.... وہ ایک با اصول آدمی تھا۔“

”حال ہی میں کسی سے جھگڑا ہوا تھا۔“

”مجھے علم نہیں.....!“

”کیا وہ کسی سلسلے میں آپ کی مدد کرنا چاہتے تھے؟“

”یہ..... یہ..... کیونکر کہا آپ نے؟“

”میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو کسی بڑی دشواری سے نکالنا چاہتے تھے!“

”خداوند..... کک..... کیا اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد ہوئی ہے۔“

”اس وقت آپ نے لاش کو جس پوزیشن میں دیکھا ہے وہ ایسی پوزیشن میں نہیں تھی۔

اونڈھی پڑی ہوئی تھی اور اس کے نیچے سے ایک ہینڈ بیگ برآمد ہوا تھا۔ جس میں ایک لاکھ

کے کرنسی نوٹ تھے اور داہنے ہاتھ میں خنجر دبا ہوا تھا!“

”تو پھر.....!“

”کیا وہ رقم آپ سے کسی نے طلب کی تھی۔“

”میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی.....!“

”محترمہ..... یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہو سکتا۔“

”کرنل..... پلیز..... میں بہت پریشان ہوں..... اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھئے۔“

”بہت بہتر۔ کل کسی وقت آجاؤں گا۔“

حمید خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا رہا تھا..... اس نے سوچا سنگ کی کال شہزاد کے فون

ہی سے آئی تھی اور کچھ دیر بعد ایکس چیج سے معلوم ہوا تھا کہ وہ فون خراب ہے۔ تو کیا سنگ

نے پھر کوئی جال بچھایا ہے اب سکون نصیب نہ ہونے دے گا..... یک بیک اسے غصہ آگیا اور

وہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگا۔

اتنے میں گاڑی ایک عظیم الشان عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

فریدی شہزاد سے کہہ رہا تھا۔ ”محترمہ آپ کچھ خوفزدہ سی نظر آ رہی ہیں۔“

”کیوں؟ اس کے بارے میں آپ کی کہنا چاہتے ہیں۔“

”میرا خیال ہے میں ابھی ابھی اس کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں.....!“

”کیا کہہ رہے ہیں آپ.....؟“ وہ یک بیک کھڑی ہو گئی۔

”ہو سکتا ہے یہ محض مشابہت کا معاملہ ہو۔ اگر آپ میرے ساتھ چل سکیں تو عنایت ہوگی!“

”میں ضرور چلوں گی!“

حمید نے اس کے لہجے میں بدحواسی محسوس کی۔

پندرہ منٹ میں وہ اس عمارت میں پہنچ گئے تھے جہاں لاش تھی.....!

مادام شہزاد نے اسے دیکھا اور چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ مقتول ایک خوشرو اور صحت مند

نوجوان تھا۔

”بس اب واپس چلئے.....!“ فریدی کا لہجہ ہمدردانہ تھا۔ ”آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔“

”لیکن..... یہ ہوا کیسے..... یہاں کون رہتا ہے!“

”اب تو کوئی بھی نہیں ہے۔ کچھ دیر پہلے یہاں کسی ڈاکٹر غوری کی ٹیم پلیٹ لگی ہوئی تھی!“

”یہ نام میرے لیے نیا ہے..... پلیز مجھے سہارا دیجئے..... میں خود میں چلنے کی سکت نہیں

پا رہی!“

حمید نے آگے بڑھ کر اپنا بازو پیش کر دیا اور یہ دیکھ کر خوش ہو گیا کہ فریدی اس کے ایثار

پر مطمئن ہے۔

بہر حال اس کا بازو ناگواری سے قبول کیا گیا تھا۔

وہ باہر گاڑی میں آ بیٹھے..... فریدی اسے ہائی سرکل سے لنکن ہی میں لایا تھا۔

”کیا آپ کلب ہی چلیں گی۔“ فریدی نے شہزاد سے پوچھا۔

”نہیں مجھے گھر پہنچا دیجئے۔“ خیف سے آواز میں جواب ملا۔

حمید بھی اپنی گاڑی کلب ہی کے پارکنگ شیڈ میں چھوڑ آیا تھا۔ شہزاد فریدی کے ساتھ

اگلی سیٹ پر تھی اور حمید پیچھے بیٹھا تھا۔

”کیا آپ اس وقت میرے چند سوالات کا جواب دے سکیں گی۔“ فریدی نے شہزاد

سے پوچھا۔



”جہاں تم ہو..... وہاں کے سارے ملازم اپنے اپنے بستروں پر بے ہوش پڑے ہیں اور شہزاد میرے پاس پہنچ چکی ہے!“

”نہیں.....!“ حمید بوکھلا کر بولا۔

”ہاں..... میرے..... دوست..... اور اب تم بھی چلتے پھرتے نظر آؤ..... ورنہ بڑی دشواری میں پڑو گے! دوسری دلچسپ اطلاع یہ ہے کہ گاڑی میں فریدی اور شہزاد کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی وہ تمہارے محکمہ کے آپریشن روم میں سنی جاتی رہی تھی!“

”کیا مطلب!“

”لنکن کے ٹرانسمیٹر کا سوئچ اس وقت آن کر دیا گیا تھا جب تم لوگ ڈاکٹر غوری والی عمارت میں لاش کی شناخت کر رہے تھے!“

”اچھا تو پھر!“

”کچھ بھی نہیں۔ بس اتنی سی بات کہ کرنل فریدی کے علاوہ بعض دوسرے آفیسرز کو بھی علم ہے کہ تم اس وقت شہزاد کی قیام گاہ پر ہو اور وہ تمہاری موجودگی ہی میں غائب ہو گئی!“

”بھلا تمہیں پہلے سے اس کا اندازہ کیونکر ہو گیا تھا کہ ہم میں سے کوئی شہزاد کے ساتھ ٹھہرے گا!“

”دراصل میں تم لوگوں کی گفتگو سننا چاہتا تھا اس لیے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا گیا تھا۔ اس طرح میں نے بھی سنی اور تمہارے محکمہ کے کچھ آفیسروں کے بھی گوش گزار ہوئی!“

”آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو!“

”فریدی پر بس نہیں چلتا اس لیے۔ دنیا کا واحد شخص ہے جس کے مقابل آ کر مجھے بہت زیادہ محتاط ہو جانا پڑتا ہے!“

حمید نے طویل سانس لی اور بولا۔ ”اس کال کی غرض وقایعت بھی بتا دو!“

”ہمدردی۔ کیپٹن حمید۔ ورنہ تم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہی رہ جاتے ویسے عورتوں کا چکر بڑا ہے پیارے..... یا پھر جھجیسا ڈھیٹ آدمی ہونا چاہئے! ہاں سنو۔ ایک بار پھر اپنا مطالبہ دہرتا ہوں..... فریدی سے کہو یہ آخری موقع ہے!“

”میں تمہارا پیغام پہنچا دوں گا مگر پیارے سنگ ہم تم دونوں اچھے دوست ثابت ہو

”نہیں تو..... قی..... قطعی نہیں.....!“

”اگر آپ کہیں تو اپنے اسٹنٹ کیپٹن حمید کو آپ کے پاس چھوڑ جاؤں۔“

”اوہ..... تو یہ کیپٹن حمید ہیں۔“

حمید نے طویل سانس لی..... اور فریدی کے جواب پر شہزاد کو کہتے سنائے۔ ”اچھی بات ہے۔ میں پریشان ہوں..... شاید سو نہ سکوں..... اس لیے کیپٹن حمید کو خوش آمدید کہوں گی۔“



”خوش آمدید“ حمید برا سامنے بنا کر بڑبڑایا۔ اور ”خوش آمدید“ کے معنی تلاش کرنے کا کیونکہ ایک گھنٹہ سے شہزاد کی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا ہو رہا تھا۔

وہ اسے وہاں بٹھا کر کسی دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔ خوش آمدید کہنے کا یہ انداز اس کے لیے بالکل نیا تھا۔

مزید پندرہ منٹ گزر گئے..... پھر وہ لا حول پڑھ کر اٹھ کھڑا ہوا..... لیکن لا حاصل..... دور دور تک کسی ایسے آدمی کا پتہ نہیں تھا جسے اطلاع دے کر وہاں سے چل دیتا۔

اسے حیرت تھی کہ اتنی مال دار عورت کی قیام گاہ دنیا سے گزر جانے والوں کی آخری آرام گاہ کیوں معلوم ہو رہی ہے۔

قبرستان ہی کا سنا سنا وہاں کی فضا پر مسلط تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور حمید خاموشی سے منتظر رہا کہ شاید اسی آواز پر کوئی اسٹڈی کی طرف متوجہ ہو جائے لیکن فون کی گھنٹی بجتی ہی رہی۔ آخر جھنجھلا کر اس نے ریسیور اٹھایا۔

”ہیلو!“

”کیپٹن حمید!“ دوسری طرف سے مردانہ آواز آئی۔

”ہاں..... میں ہی ہوں!“

”اور میں ہوں تمہارا خادم..... سنگ ہی!“

”فرمائیے.....!“ حمید دانت پیس کر بولا۔



سکتے ہیں۔“

”میں تم دونوں کو دشمن نہیں سمجھتا اسی لیے ابھی تک زندہ ہوا۔“

”بہت بہت شکریہ!“

”تمہارا لہجہ طنزیہ ہے کیپٹن حمید!“

حمید نے قہقہہ لگا کر ریسیور کریدل پر رکھ دیا۔

”شہر زاد کا تحفظ اسکی ذمہ داری تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسٹڈی سے آگے بڑھنا چاہیے۔“

اچانک پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ اس بار فریدی کی آواز سنائی دی۔

”جہاں ہو..... وہیں ٹھہرو۔ عمارت کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں..... میں آ رہا ہوں!“

”بہت بہتر جناب عالی!“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں پہنچا تھا۔

”کیا تم شروع سے اب تک یہیں رہے ہو۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”ہاں وہ مجھے یہیں بٹھا کر چلی گئی تھی۔ کیا یہ فون ٹیپ کیا جاتا رہا ہے!“

”اس وقت سے جب اسی نمبر سے سنگ کی کال آئی تھی!“

”تو آپ نے اس کی اس وقت کی گفتگو سنی ہوگی!“

”میں نے نہیں..... دوسروں نے سنی تھی اور فوراً ہی مجھے اطلاع دی تھی۔“

”اوہو..... تو کیا آپ کو پہلے ہی سے خدشہ تھا!“

”نہیں..... لیکن..... میں تمہیں یہاں تنہا تو نہیں چھوڑ گیا تھا!“

”چھوڑ ہی کیوں گئے تھے!“ حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

”محض اس لیے کہ تم شہر زاد سے کچھ معلومات حاصل کر سکو۔“

”لیکن اس سے پہلے ہی سنگ اسے اٹھا لے گیا۔“

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے یہ بھی سنگ کا بلف ہو!“

”بلف.....!“ حمید نے حیرت سے دہرایا۔

”میرے ساتھ آؤ.....!“ کہہ کر وہ ایک دروازے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ اسٹڈی میں

اندھیرا چھا گیا۔

”ٹھہرو.....!“ فریدی نے حمید کا بازو پکڑ کر آہستہ سے کہا۔

حمید کا ریوالبورنگلی ہولسٹر سے نکل آیا تھا۔ دفعتاً ایک نسوانی چیخ سنائے میں گونجی۔

حمید نے آواز کی سمت بڑھنے کی کوشش کی تھی۔

”نہیں..... باہر نکلو!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

اسی دوران میں اس کے ہاتھ سے حمید کا بازو چھوٹ گیا تھا۔ حمید اندازے سے نکاسی

کے دروازے کی جانب بڑھا..... لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ناک کے

راستے منوں غبار پیچھے دھند میں اتر گیا ہو۔ دم گھٹنے لگا، قدم لڑکھڑائے اور وہ فرش پر آ رہا.....

گرتے گرتے سر کی ٹھوس چیز سے ٹکرایا تھا۔ اسے ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔

پھر وہ بری طرح جھنجھوڑا نہ جاتا تو شاید قیامت کی خبر لیتا۔

بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں..... پھر ہڑبڑا کر اٹھ بھی بیٹھا کیوں کہ اس طرح جھنجھوڑنے

والی شہر زاد تھی۔

”تمہیں میری خواب گاہ میں داخل ہونے کی جرأت کیونکر ہوئی۔“ وہ غضبناک انداز

میں کہہ رہی تھی۔

حمید نے کچھ اور زیادہ بوکھلا کر اس کے بستر سے چھلانگ لگائی..... شہر زاد شب خوابی

کے لباس میں تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی بیدار ہوئی ہے۔

تو کیا وہ اسی بستر پر اس کے ساتھ ہی خرائے لیتا رہا ہے..... لیکن خود اس نے تو جوتے

تک نہیں اتارے تھے۔

”خداوند!“ وہ سر پکڑ کر رہ گیا اور پھر دل ہی دل میں سنگ ہی کو ایک گندی سی گالی دی۔

## دھمکیاں اور سانپ

شہر زاد مسلسل چیخے جا رہی تھی۔ ”میں ابھی ہوم سیکرٹری کو فون کرتی ہوں..... تم نے سمجھا

کیا ہے.....!“

”کرنل کے اس رویہ پر آپ نے اتفاق نہیں کیا تھا کہ آپ پچھلی رات خائف تھیں۔“ اس نے اسے مخاطب کیا۔

شہر زاد سر اٹھا کر مغموں نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”میں خائف نہیں تھی.....  
مغموں تھی..... وہ میرا سیکرٹری ہی نہیں ایک اچھا دوست بھی تھا!“  
”اور وہ ایک لاکھ روپے کی رقم کس کی تھی!“  
”میں نہیں جانتی!“

”میرا خیال ہے کہ آصف صاحب ذاتی طور پر اتنے مالدار نہیں ہو سکتے۔“

”یہ اس کا نجی معاملہ تھا۔“

”سچی بات محترمہ۔ ورنہ گلو خلاصی ممکن نہ ہوگی.....!“

”میں سمجھی!“ شہزاد دوبارہ بھڑک کر بولی۔ ”تو تم لوگ مجھ سے کسی بات کا اعتراف کرانے کے لیے یہاں لائے ہو۔“

”ہمیں اس کی ضرورت نہیں..... میزا باس آپ کو اپنے دفتر میں طلب کر کے پوچھ گچھ کر سکتا ہے۔ اسے اس کی پرواہ نہیں ہو سکتی کہ بعض مشروں سے بھی آپ کے دوستانہ تعلقات ہیں۔“

شہزاد پھر کسی سوچ میں پڑ گئی..... حمید کی نظر اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔۔

”میں جواب چاہتا ہوں محترمہ.....!“

”مم..... میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ آصف کو کوئی بلیک میل کر رہا تھا!“

”اور وہ مطلوبہ رقم لے کر وہاں گیا تھا!“  
”تفصیل کا علم مجھے نہیں.....!“

”بہر حال وہ رقم آپ ہی نے فراہم کی تھی!“

”کیا کسی کے لیے رقم فراہم کرنا جرم ہے!“

”نہیں تو..... لیکن..... خیر..... چھوڑیے..... سوال تو یہ ہے کہ یہاں ہماری موجودگی کا کیا

”مقصد ہے!“

”میں کسا خانوں؟“

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ فریدی کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ کیا اس پر بھی یہی گزری

”میری بات بھی تو سنئے!“

”نشت آپ۔“

”کیا آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں کہ آپ اپنی ہی کوٹھی میں ہیں۔“

حمید نے اسی کے انداز میں چیخ کر کہا۔

شہر زاد اس طرح چیخی جیسے ابھی تک ہوش میں نہ رہی ہو..... آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

”تت... تم... کمینے... مجھے کہاں لے آئے ہو۔“ وہ اتنے زور سے چیخی کہ کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔

”محترمہ ہوش میں آئیے.....! پچھلی رات آپ مجھے اپنے نشست کے کمرے میں بٹھا کر کہاں غائب ہو گئیں تھیں!“

”یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔“ وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔ ”اب مجھے سب کچھ یاد آ رہا ہے..... جیسے ہی میں اسٹڈی سے اندر گئی تھی کسی نے میرا گلا گھونٹ دیا تھا..... پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا!“

”اور اب مجھ سے سینے کے میں ایک گھنٹے تک اسٹڈی میں تنہا بیٹھا جھک مارتا رہا تھا..... پھر اچانک بجلی غائب ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی کسی عورت کی چیخ سنا دی تھی.....! پھر مجھے بھی یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا اور یہ دیکھنے میں اسی لباس میں ہوں جس میں آپ نے مجھے اپنی اسٹڈی میں دیکھا تھا لیکن آپ سلپنگ سوٹ میں ہیں!“

”یہ سب کیا ہے؟“

”یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ حادثہ مجھے آپ ہی کی کوٹھی میں پیش آتا تھا۔“

”کیا تم سب کچھ سچ کہہ رہے ہو.....!“ دفعتاً وہ نرم پڑ گئی۔

”محترمہ میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں!“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

وہ نڈھال سی ہو کر بستر پر بیٹھ گئی۔

حمید نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے۔ تو یہ دوسرا دن ہے۔ اس نے سوچا اور پر تشویش نظروں سے شہر زاد کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

”زر... زرد قندہ...!“ وہ خوفزدہ انداز میں ہکلائی۔

سنگ ہی ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔

”ہوں... تو آپ اسے پہچانتی ہیں۔“ حمید نے طویل سانس لے کر پوچھا۔

”نہیں... تو...!“

”ابھی آپ نے کچھ کہا تھا!“

”نہیں... تو...!“

”کیا اب یہ میز آپ دونوں کے قریب ہی پہنچانی پڑے گی۔“ سنگ ہی نے مسکرا کر پوچھا۔

”نہیں تو... ہم آ رہے ہیں پیارے میزبان۔“ حمید نے بھی خوشدلی کا مظاہرہ کرنے

کی کوشش کی اور شہزاد کا بازو پکڑ کر بولا۔ ”چلئے محترمہ!“

وہ لڑکھرائی ہوئی میز تک پہنچی تھی۔

”میری خوش قسمتی ہے کہ شہر کی دو معزز ہستیوں کا میزبان بننے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔“

سنگ نے بڑی لجاجت سے کہا لیکن حمید نے محسوس کیا کہ شہزاد بڑی طرح کانپ رہی ہے۔

”میں تو تمہاری سعادت مندی کے مقصد سے واقف ہوں لیکن مادام نے کیا قصور کیا

ہے!“ حمید نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”مادام اچھی طرف واقف ہیں!“ سنگ ہی شہزاد کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”مم... میں کچھ... نہیں جانتی!“

سنگ ہی قہقہہ لگا کر بولا۔ ”خیر... خیر... آپ لوگ ناشتہ کیجئے!“

”کیجئے محترمہ!“ حمید نے شہزاد کی طرف دیکھ کر کہا۔

شہزاد نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اپنے سامنے والی پلیٹ سیدھی کی تھی۔

ناشتے کے دوران میں خاموشی رہی۔ اس کے بعد حمید کو پائپ اور پرنس ہنری کا تمباکو

پیش کیا گیا۔ پائپ نیا تھا۔

”بہت بہت شکریہ!“ حمید سنگ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ”لیکن میں مادام شہزاد کے

سیکرٹری کے قتل کی وجہ ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔“

”یہاں اس بات کا کیا موقع ہے؟“ شہزاد جھنجھلا کر بولی۔

ہو گئی۔ دفعتاً بائیں جانب سے کسی کی آواز آئی۔ ”معزز مہمان دس منٹ میں ناشتے کے لیے تیار ہو جائیں۔“

دونوں چونک پڑے۔ اور حمید کے کچھ بولنے سے قبل ہی شہزاد نے چیخ کر کہا۔ ”میں ذرا اپنے میزبان کی شکل دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”ناشتے کی میز پر آپ کی یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔“ آواز آئی۔

”آخر ہم دونوں کو ایک ہی کمرے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی!“

حمید نے بھنا کر پوچھا۔ اس بار اس نے سنگ ہی کی آواز پہچان لی تھی!

”اگر مجھے خدشہ ہوتا ہے کہ مادام شہزاد سے پہلے تم ہوش میں آ جاؤ گے تو ہرگز ایسی غلطی سرزد نہ ہوگی!“

”تم آخر ہو کون؟“ شہزاد جھلا کر چیخی۔ لیکن اس کے سوال کا جواب نہ ملا۔

حمید کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کپڑوں کی الماری کھول کر شہزاد کی توجہ اس کی طرف

مبذول کراتا ہوا بولا۔ ”یہ شاید آپ کے ملبوسات ہیں!“ وہ تیزی سے الماری کی طرف جھپٹی تھی۔

”ہاں... ہاں... میرے ہی ہیں...!“ اس نے کہا اور حمید کو گھورنے لگی۔

”شاید آپ اب بھی یہی سوچ رہی ہیں کہ یہ ہماری ہی کسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔“

”کیا میں یہ سوچنے میں حق بجانب نہیں ہوں۔“ وہ جھلا کر بولی۔

”کچھ دیر بعد شاید آپ کا انداز فکر بدل جائے۔“ حمید نے کہا اور ہاتھ روم کی راہ لی۔

واپسی پر شہزاد دوسرے ملبوس میں نظر آئی۔

”وہ دروازہ باہر سے مقفل معلوم ہوتا ہے۔“ اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ظاہر ہے کہ ہم کسی کے قیدی ہیں۔“ حمید خشک لہجے میں بولا۔

ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازہ کھولا۔ یہ ایک باوردی ملازم تھا۔

”ناشتہ جناب عالی!“ اس نے کسی قدر خمیدہ ہو کر کہا۔

”اچھا۔“ حمید نے معزز مہمانوں کی سی شان سے اپنے سر کو جنبش دی۔

ملازم انہیں ایک وسیع ڈائننگ روم میں لایا۔ میز پر ایک شخص ان کا منتظر تھا۔ جس پر نظر

پڑتے ہی شہزاد دروازے ہی میں ٹھنک گئی۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

”میں نہیں سمجھی۔“

”میں آپ کو اپنی قوت دکھانا چاہتا تھا..... اور بس۔ کچھ دیر بعد آپ دونوں رہا کر دیئے جائیں گے!“

”تو تم زبردستی مجھ سے دو لاکھ وصول کرو گے۔“ شہزاد آنکھیں نکال کر بولی۔

”یقیناً..... آپ دیکھ ہی رہی ہیں کہ قانون کا ایک محافظ بھی آپ ہی کی طرح میرا قیدی ہے۔ میں جب بھی چاہوں گا، آپ کو دوبارہ قیدی بنالوں گا۔ آپ کرنل فریدی اور اس کے اسٹنٹ کی شہرت سے واقف ہی ہوں گی۔“

”دھمکی.....! اچھی بات ہے..... میں بھی دیکھوں گی!“

سنگ کے طویل قہقہے سے کمرہ گونج اٹھا۔

”کیا آپ بتا سکیں گی کہ آصف نے جعلی کرنسی کہاں سے مہیا کی۔“ حمید نے شہزاد

سے خشک لہجے میں پوچھا۔

”میں نہیں جانتی!“

”خیر نہ جانتی ہوں گی..... لیکن آپ اسے زرد فتنہ کے نام سے ضرور جانتی تھیں!“

”پلیز کیپٹن حمید!“ سنگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”فی الحال آپ دونوں ہی میرے قیدی

ہیں۔ لہذا اپنا قانون اپنے پاس ہی رکھئے۔ اس قسم کے سوالات یہاں سے رہائی کے بعد کیجئے

گا..... ویسے بحیثیت زرد فتنہ میرا وزیٹنگ کارڈ ملاحظہ فرمائیے!“

سنگ نے جیب سے کارڈ نکال کر حمید کی طرف سرکا دیا۔ اس کارڈ پر ایک طرف سنگ

کی تصویر تھی اور دوسری طرف زرد فتنہ تحریر تھا!

”مادام نے یہی کارڈ آصف کے پاس دیکھا ہو گا۔“ سنگ نے حمید سے کارڈ واپس لیتے

ہوئے کہا۔

حمید نے جواب طلب نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھا۔

”ہاں میں نے آصف کے پاس دیکھا تھا..... لیکن جعلی کرنسی کے بارے میں کچھ نہیں

جانتی.....!“ اس نے لاپرواہی سے کہا۔

”اوہو..... میں سمجھا.....!“

”کیا سمجھا!“

”یہ اچھی طرح سمجھتا ہے۔“ حمید نے سنگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ میرے لیے قطعی اجنبی ہے۔“

”لیکن کچھ دیر پہلے آپ نے اسے زرد فتنہ کے نام سے یاد کیا تھا!“

”یہ جھوٹ ہے!“

”پھر اس نے کیوں کہا تھا کہ مادام یہاں اپنی موجودگی کے مقصد سے بخوبی واقف ہیں!“

”اسی سے پوچھو کہ اس نے یہ بات کیوں کہی تھی!“

”اچھی بات ہے۔ تم ہی بتاؤ۔“ حمید نے سنگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بتا دوں.....!“ سنگ شہزاد کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”کک..... کیا..... بب..... بتا دو گے!“

”یہی کہ میں آصف کو بلیک میل کر رہا تھا۔ میں نے اس سے ایک لاکھ طلب کیے تھے

لیکن وہ رقم کے ساتھ ہی ایک خنجر بھی لایا تھا اس لیے میرے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اتنے میں

پولیس آگئی اور مجھے وہاں سے خالی ہاتھ بھاگنا پڑا اور کیوں نہ خالی ہاتھ بھاگتا۔ وہ نہ صرف

خنجر ساتھ لایا تھا بلکہ کرنسی بھی جعلی تھی!“

حمید اس دوران میں سنگ کی بجائے شہزاد کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا تھا۔

سنگ کے خاموش ہوتے ہی اس نے شہزاد کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلکیاں دیکھیں

اور وہ تر سے بولی۔ ”مجھ پر اس کی کیا ذمہ داری ہو سکتی ہے!“

”اب میں ایک لاکھ کی بجائے دو لاکھ لوں گا۔“ سنگ مسکرایا۔

”تم اسے بلیک میل کر رہے تھے۔ میرا کیا باگاڑ سکو گے۔“ شہزاد غرائی۔

لیکن حمید کو اس غراہٹ میں سو فیصد تصنع محسوس ہوا تھا۔

”آپ اس شخص کو اچھی طرح پہچانتی ہیں نا۔“ سنگ نے حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”ہاں تو پھر.....!“

”فریدی اتفاقاً نکلا ورنہ وہ بھی اس وقت یہیں نظر آتا!“

”اب میں اپنے معزز مہمانوں سے اجازت چاہوں گا۔“ سنگ اٹھتا ہوا بولا۔

”اس قید کی مدت تو بتاتے جاؤ.....!“ حمید نے تمسخر آمیز انداز میں کہا۔

سنگ دروازے کے قریب رک کر مڑا..... چند لمحے حمید کو تیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر

بولا۔ ”اپنے کچھ معاملات نچانے کے بعد ہی تم دونوں سے بھی سمجھوں گا!“

وہ چلا گیا..... دروازہ باہر سے مقفل کیا گیا تھا۔ انہوں نے قفل میں کبھی گھومنے کی

آواز سنی تھی۔

حمید شہر زاد کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ حمید اندازہ

نہ کر سکا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے۔

”تم دونوں سے اس کے قریبی تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔“ وہ بالآخر مسکرا کر بولی۔

”ہوں۔ کیا خیال ہے؟ ان دو لاکھ میں ہمارا بھی حصہ ہو گا۔“

”میں یہی سوچ رہی ہوں۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ ہمارے تعلقات پرانے نہیں.....

یقین کرو..... آج تم میرے محبوب ہوتے!“

”میں چوٹیں گھٹنے کے نوٹس پر محبوب بننے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔“

”ہاں..... تم ایسے ہی ہو!“ وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔ ”دو کیا دس لاکھ تم پر سے نثار

کیے جاسکتے ہیں۔“

وہ ”بہت خوب تو آپ کو اس پر یقین آ گیا ہے کہ میں اور میرا باس بھی اس رقم کے حصہ

دار ہوں گے۔“

”جہنم میں جھوٹو۔ اگر یہ حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو تم بھی مجھے نہ ملتے۔“

”میرا چیف مجھ سے زیادہ خوبصورت اور توانا ہے۔“

”یقیناً..... اور اس قابل ہے کہ اسے کسی عجب گھر کی زینت بنا دیا جائے۔“ شہر زاد

نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”مجھے ایسے مرد پسند نہیں ہیں جن پر عورتیں اثر انداز نہ ہو سکیں..... تم خود

سوچو یہ کتنا غیر فطری ہے!“

”اسی لیے قدرت نے اسے بے حد فطری اسٹنٹ عنایت کیا ہے۔“ حمید اس کی

آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”میرے جذبات کی قدر کرو..... میرا مذاق نہ اڑاؤ۔“ وہ جھنجھلا کر بولی۔

دفعۃً حمید کی آنکھوں سے گہرا غم جھانکنے لگا اور اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ”مجھے سمجھنے

کی کوشش کیجئے۔“

”کیا مطلب؟“ شہر زاد سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

”عورتوں نے کبھی میرے جذبے کی قدر نہیں کی..... کھلونا سمجھ کر کھیلاتی رہی ہیں۔ پچھلے

سال ایک خاتون نے بالآخر یہ کہہ کر میری محبت کا گلا گھونٹ دیا تھا کہ میرے الفاظ کی ادائیگی

درست نہیں ہے..... اس لیے وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں!“

”میں نہیں سمجھی!“

”ان کا خیال تھا کہ قلم کو کلم اور حقیقت کو حلیکت نہیں کہہ سکتا اس لیے شادی کے قابل

نہیں ہوں!“

”یہ کیا بات ہے؟“

”میں خود بھی نہیں سمجھ پایا کہ..... ارے بابا مرد بیوقوف یا بیوقوف..... اس سے محبت پر

کیا اثر پڑتا ہے!“

”تم شرارت سے باز نہیں آؤ گے!“ شہر زاد ہنس پڑی۔

”اب مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”کیا ہم یہیں بیٹھے رہ جائیں گے۔“ شہر زاد نے یک بیک چوک کر کہا۔

”محبت کا ذکر چھڑ جائے تو پھر یہی ہوتا ہے!“

دونوں اٹھ کر اس کمرے میں آئے جہاں سے ناشتے کے لیے روانہ ہوئے تھے یہاں کا

دروازہ کھلا ہوا نظر آیا اور پھر ان پر یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اب وہ آزاد ہیں کیونکہ یہ

دروازہ عقبی پارک میں کھلتا تھا۔

”یہ تماشا بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔“ حمید پر تفکر لہجے میں بولا۔

”نکل چلو..... نکل چلو.....!“ شہر زاد کی سانس پھولنے لگی تھی۔



”نہیں! وہ اس زور سے عاشق ہوئی ہے کہ مجھے کسی قانونی دشواری میں نہیں پڑنے دینا چاہتی۔“

”ٹھیک ہے..... چلو اٹھو.....!“

گاڑی کمپاؤنڈ سے نکل ہی رہی تھی کہ خود شہر زاد سامنے سے آتی دکھائی دی اپنی کار وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔

فریدی نے اپنی گاڑی باہر نکال کر داخلے کے پھانگ سے دوبارہ کمپاؤنڈ میں داخل کی..... اور اس کی گاڑی کے قریب ہی روک دی۔

”ہم آپ ہی کے پاس جا رہے تھے۔“ فریدی گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

”آپ کو حمید صاحب کی زبانی سب کچھ معلوم ہی ہو چکا ہو گا۔“ شہر زاد نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”جی ہاں.....!“

”یقین کیجئے کہ ایک لاکھ کی جعلی کرنسی سے میرا کوئی تعلق نہیں!“

”یہ اطلاع بھی حمید ہی کی زبانی ملی ہے کہ کرنسی جعلی ہے..... لہذا اس کی پرکھ بھی ہو جائے گی!“

”کہیں اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

فریدی اسے اپنے آفس میں لایا۔ اس وقت یہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور باہر سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کا بلب روشن ہو گیا تھا۔

”سوال تو یہ ہے کہ وہ مجھ سے دو لاکھ کا مطالبہ کیوں کر رہا ہے۔“ شہر زاد نے مردہ سی آواز میں کہا۔

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ آصف کیوں بلیک میل کیا جا رہا تھا!“

”نہیں میں نہیں جانتی..... وجہ اس نے نہیں بتائی تھی اور نہ اس نے مجھ سے کسی رقم کا

مطالبہ کیا تھا..... میں نہیں جانتی کہ اس نے جعلی کرنسی کہاں سے فراہم کی!“

”تو پھر آپ کو پریشان بھی نہ ہونا چاہئے! میں دیکھوں گا کہ وہ آپ سے کس طرح دو

لاکھ وصول کرتا ہے۔“

حمید سیدھا آفس پہنچا..... اس کا خیال تھا کہ فریدی سے ملاقات نہ ہو سکے گی لیکن وہ اپنے دفتر میں موجود تھا اور خاصا خوش و خرم نظر آ رہا تھا۔ حمید بھنا کر رہ گیا اس کا خیال تھا کہ فریدی اس کے لیے بے حد پریشان ہو گا۔

”کیا خیال ہے..... آپ میری جگہ میری لاش چاہتے تھے!“

”دل چھوٹا نہ کرو..... بیٹھ جاؤ..... میں سنگ ہی کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کر رہا ہوں!“

”اگر میں موت کے گھاٹ اتر جاتا تو کیا ہوتا!“

”وقت سے پہلے تم موت کے گھاٹ نہیں اتر سکتے۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔

چند لمحے خاموش رہ کر فریدی نے کہا۔ ”رپورٹ۔“

اور حمید اس طرح اپنی کہانی دہرانے لگا جیسے فریدی کی بجائے ٹیپ ریکارڈر سامنے ہو..... آواز جذبات سے عاری تھی۔ وہ فریدی کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

اس کے خاموش ہوتے ہی فریدی بولا۔ ”تبصرہ۔“

”تبصرہ..... یہ کہ میں سو فیصد الو کا پٹھا ہوں.....!“

”اسے حقیقت کہتے ہیں تبصرہ نہیں.....!“

”یہ حقیقت ہے کہ میں الو کا پٹھا ہوں۔“ حمید نے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔

”اچھا تم ہی بتاؤ، اگر میں نے تمہیں کبھی جھوٹا سمجھا ہوا!“

حمید نے بُرا مان جانے کے سے انداز میں خاموشی اختیار کر لی۔

کچھ دیر بعد فریدی اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آیا اور شانہ تھپک کر بولا۔ ”موسم بڑا خوشگوار ہے..... چلو باہر چلیں!“

”آپ کے ساتھ تو ہرگز نہیں جاؤں گا..... مادام شہر زاد آج ہی تو مجھ پر عاشق ہوئی ہیں۔“

”وہیں چلیں گے..... میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے سنگ کی توقعات پر پورا اترنا ہے کیا تم شہر زاد کو اس کے گھر پہنچانے گئے تھے!“



لیکن دوسرے ہی لمحے میں دونوں بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اگلی سیٹ پر ایک بڑا سا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

### میںا اور بچھو

خیمہ پھر آگے بڑھا اور سانپ کو سیٹ سے نیچے اتارنے کے لیے ہشکارنے لگا لیکن وہ اپنی جگہ پر جمنا ہوا ہچکھکارتا رہا۔ پارکنگ شیڈ میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ حالانکہ گاڑی والا واقعہ پیش آنے کے بعد سے وہاں ایک مسلح آدمی ہر وقت موجود رہتا تھا۔ اگر کوئی ہوتا تو کیا حمید ایک خاتون کی موجودگی میں اس سے مدد لینا پسند کرتا ایک عدد سانپ ہی تھا۔ پھر اہوا ہاتھی یا شیر تو نہیں تھا۔ حمید نے بغلی ہولسر سے ریوالور نکالا۔

”ارے..... ارے..... گاڑی تباہ ہو جائے گی۔“ شہر زاد بول پڑی۔

”تو کیا آنکھ ماروں اسے.....!“

”نہیں.....!“ پشت سے فریدی کی آواز آئی۔ ”سامنے سے ہٹ جاؤ!“

شاید وہ بھی کہیں جانے کے لیے اپنے دفتر سے نکلا تھا۔

”یہ کیا مصیبت ہے آخر.....!“ شہر زاد ایک طرف ہٹتی ہوئی بڑبڑائی۔

فریدی نے گاڑی کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے سے دونوں کو ہٹا کر جیب سے رومال نکالا اور اسے سانپ کے پھن پر پھینک دیا۔ وہ بوکھلا کر دوسری طرف والی کھڑکی کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ اس کی دم کنڈلی سے باہر آگئی۔ پھر وہ دونوں اندازہ نہیں کر پائے تھے کہ کب فریدی نے اس کی دم پکڑی تھی اور کب جھٹکے کے ساتھ باہر نکال پھینکا تھا۔

شہر زاد کی چیخ نکلی گئی۔ سانپ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا ہلکی ہلکی لہریں لے رہا تھا۔

”سر کچل دیجئے سر۔“ شہر زاد ہانپتی ہوئی بولی۔

”اس کے بغیر ہی مر جائے گا۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے لے کہا۔ ”اس کا جوڑ جوڑ الگ ہو گیا ہے!“

سیٹ پر اس جگہ جہاں کچھ دیر پہلے سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ ایک ہارڈ پڑا دکھائی

”ویسے مجھے اس پر حیرت ضرور ہے کرنل صاحب کہ پولیس مجرموں کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئی ہے!“

”قرب قیامت کی نشانی۔“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”کچھ مجرم بڑی بڑی رشوتوں سے کام چلاتے ہیں اور کچھ دھونس دھڑلے سے..... لیکن رشوتوں کا سہارا لینے والے مجرم نہیں کہلاتے..... کبھی کبھی تو حکومت انہیں خطابات سے بھی نوازتی ہے۔“

”اوہو۔ تو آپ میرے طبقے پر چوٹ کر رہے ہیں۔“ شہر زاد نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ فریدی کچھ نہ بولا..... البتہ حمید نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ ”ایسی کوئی بات نہیں محترمہ۔ میرے چیف دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ خود بھی آپ ہی کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر مجھے رشوت دے کر میری زبان بند کرتے رہتے ہیں!“

”میں نہیں سمجھی.....!“

”آپ فی الحال یہ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ آپ کو کیپٹن حمید کی موجودگی میں کیوں دھمکایا گیا۔“ ”مم..... پپ..... پتہ نہیں۔“ شہر زاد ایک بیک نروس نظر آنے لگی۔ حمید اوپری ہونٹ پیچھے اسے گھورے جا رہا تھا۔ وہ خود اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

”میری دانست میں اس کہانی کا یہی حصہ سب سے زیادہ اہم ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے.....!“ شہر زاد سنبھالا لے کر طنزیہ لہجے میں بولی۔ ”دولاکھ میں رشوتیں بھی شامل ہوں گی!“

”ممکن ہے!“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور اٹھ گیا۔ اس کا یہی مطلب تھا کہ اب وہ گفتگو کے لیے مزید وقت نہیں دے سکتا۔

”میں اس معاملے کو آگے تک بڑھاؤں گی.....!“ شہر زاد بھی اٹھتی ہوئی بولی۔

”مجھے بے حد خوشی ہوگی!“

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی..... حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا..... اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی اور حمید نے جھپٹ کر شہر زاد کے لیے دروازہ کھولا۔

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا گاڑی تک آیا تھا۔

”میرا چیف بہت خشک آدمی ہے۔“ اس نے اس کیلئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔



”صبر سے کام لو..... سنگ حقیقتاً کسی دوسرے چکر میں ہے۔ زیرولینڈ کی وہ دونوں بڑی عورتیں فی الحال نہ ہمارے کسی کام کی ہیں اور نہ اس تنظیم ہی کے لیے کسی قسم کا خطرہ ہیں۔“

”کیا مطلب!“

”وہ دونوں صحیح الدماغ نہیں رہیں..... کسی قسم کے زہر کے استعمال سے ان کے دماغ الٹ گئے ہیں اور اس کا توڑ اس تنظیم کے پاس ہو تو ہو..... اور کسی کے پاس نہیں۔“

”اچھا تو پھر!“

”ان سے زیرولینڈ کا کوئی راز نہیں معلوم کیا جاسکتا۔ لہذا وہ ان کے لیے خود کو خطرات میں نہیں ڈال سکتا!“

”پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے!“ حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

دوسرے قسم کے ہنگامے وہ محض اس لیے برپا کرتا رہا ہے کہ ہم اصل مقصد کی طرف توجہ نہ دے سکیں۔

”کیا ہے اصل مقصد!“

”بلیک میٹنگ!“

”پوہ..... بھلا اس میں کیا رکھا ہے..... اس کے لیے اتنے ہنگاموں کی کیا ضرورت ہے۔“

”حمید صاحب.....! اس بلیک میٹنگ کی وہ نوعیت نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔

شہر زاد سے تمہاری موجودگی میں دو لاکھ کا مطالبہ محض دکھاوا تھا اور اس کے لیے ایک دھمکی تھی

جو ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے دی گئی..... اور یہ ڈرامہ اس لیے کھیلا گیا کہ شہر زاد نے اس کا

مطالبہ پورا کرنے کی بجائے اسے قتل کر دینے کی کوشش کی تھی!“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اصل میں شہر زاد کو بلیک میٹنگ کیا جا رہا ہے آصف کا اس سے

کوئی تعلق نہیں تھا!“

”یہی بات ہے اور مجھے تو اس پر بھی شبہ ہے کہ جعلی کرنسی والا سوٹ کیس آصف لے گیا ہوا!“

”پھر وہ کہاں سے آیا.....!“

”سنگ کی حکمت عملی۔ وہ اس بلیک میٹنگ کی جلیبی چاہتا ہے تاکہ جلد سے جلد وہ لوگ

اس کے مطالبات تسلیم کر لیں جنہیں وہ بلیک میٹنگ کر رہا ہے۔ اس ڈرامے سے اس نے جو

دیا۔ اس پر ایک طرف سنگ کی تصویر تھی اور دوسری طرف تحریر تھا۔ ”میرا مطالبہ بارہ گھنٹے کے اندر اندر پورا ہونا چاہئے!“

فریدی نے کارڈ شہر زاد کی طرف بڑھا دیا۔

”اُدہ۔“ اس کا چہرہ زرد ہو گیا..... شاید سانپ نے بھی اسے اس درجہ خوفزدہ نہیں کیا تھا۔ جتنی اب نظر آرہی تھی۔

پھر وہ جلد ہی خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی۔

”تو اب۔ یہاں..... اس جگہ بھی میں دھمکانی جاؤں گی.....!“ اس نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا لیکن نظریں حمید کے چہرے پر تھیں۔

”یہ عجیب پجوشن ہے مادام شہر زاد۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ہم سوچ رہے ہیں کہ آپ بھی اس کے اس کھیل میں شریک ہیں اور آپ کا خیال ہے کہ مال غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہو گا۔“

”تو پھر مجھے یہ سوچنا چاہئے کہ آپ کا حکمہ اس بلیک میٹنگ کے سامنے بے بس ہو گیا ہے۔“

”فی الحال یہی سمجھ لیجئے..... بعض اوقات ہم مصیبت بھی بے بس نظر آنے لگتے ہیں۔“

”جنم میں جائے..... میں خود دیکھوں گی، کہ کیا کر سکتی ہوں۔“ وہ جھپٹ کر گاڑی میں بیٹھی تھی اور انجن اشارت کر کے گاڑی ریورس گیر میں ڈال دی تھی۔

وہ دونوں وہیں کھڑے اسے پھانک سے گزرتے دیکھتے رہے۔

”میں یہی چاہتا ہوں کہ تم خود ہی دیکھو.....!“ فریدی بڑبڑا کر حمید کی طرف متوجہ ہو گیا۔

قریب پڑا ہوا سانپ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

”وہ آدمی کہاں مر گیا جس کی ڈیوٹی پارکنگ شیڈ میں لگائی تھی!“ حمید چاروں طرف

دیکھتا ہوا بولا۔

اور پھر اس آدمی کی تلاش شروع ہو گئی..... وہ لیبارٹری میں بے ہوش پڑا ملا..... وہ دونوں

پھر آفس میں آ بیٹھے۔ حمید غصے سے بل کھا رہا تھا۔

”کیوں بور ہو رہے ہو۔“ فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

”حد ہوتی ہے ذلت کی..... آخر سنگ ہی کو اتنی چھوٹ کیوں دے رہے ہیں آپ!“

”مینا.....!“

”میں بہت اچھے حلقوں میں تمہاری حماقتوں کے بارے میں سنتی رہی ہوں کبھی کوئی بکرا بھی پالا تھا جسے تم ساتھ لیے پھرتے تھے!“

”بکرے ہی کی طرح یہ بھی بہت کارآمد چیز ہے..... بی مینا..... ذرا وہ تو سنا دو۔ لب پہ آتی ہے دعابین کے تمنا میری!“

مینا نے نظم شروع کر دی..... شہزاد حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی۔ نظم کے اختتام پر حمید نے کہا ”شاباش..... اب بابا بلیک شپ بھی سناؤ۔“

”نہیں.....!“ شہزاد دونوں ہاتھوں سے کان بند کرتے ہوئے بولی۔ ”یہ ہرگز نہیں سنوں گی، سنتے سنتے کان پک گئے ہیں جس گھر میں بھی جاؤ خاندان کا سب سے چھوٹا بچہ

طلب کر کے سر پر مسلط کر دیا جاتا ہے..... ہاں پوانی کو بابا بلیک شپ تو سنانا!“

”بہت بہتر محترمہ!“ مینا بولی۔ ”کہئے تو مرزا غالب کی کوئی غزل سنا دوں۔“

”کمال ہے..... تم نے تو اسے آدمی بنا دیا ہے۔“ شہزاد حمید سے بولی۔

”ریٹائرمنٹ کے بعد کما کھاؤں گا۔“

”تم لوگ آخر ہو کیا بلا۔ مجھے تو سانپ والے واقعے پر حیرت ہے۔ آخر کرئل فریدی کس کس فن کے ماہر ہیں۔“

”صرف شادی کے قابل نہیں ہیں اور سب کچھ کر گزرتے ہیں۔“

”اچھا ہی ہے ورنہ بیوی تو پاگل ہو جاتی۔ سنا ہے درجنوں سانپ بھی پال رکھے ہیں۔“

”محترمہ.....!“ حمید بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ ”کیا آپ کا خیال ہے وہ سانپ انہی

میں سے ایک تھا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سلسلے میں کیا سوچوں! تم لوگ ہمیشہ سے نیک نام رہے

ہو اور پھر فریدی کو کس بات کی کمی ہے..... چاہیں تو ہم جیسے کئی صنعتکاروں کو خرید سکتے ہیں۔

میں ان کی خاندانی بیک گراؤنڈ سے بخوبی واقف ہوں۔“

”ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے پائے!“

”سوال تو یہ ہے کہ تم میرا تحفظ کیسے کر سکو گے جبکہ اپنا ہی نہیں کر سکتے۔“

توقع وابستہ کر رکھی تھی وہ میں نے پوری کر دی ہے!“

”میں نہیں سمجھا!“

”پہلی..... شاید تم نے آج کے اخبارات نہیں دیکھے۔ آصف کی جیب سے زرد فتنہ کا

کارڈ بھی برآمد ہوا تھا۔ لہذا اس کا حوالہ بھی خبر میں موجود ہے اور میں نے یہی شبہ ظاہر کیا ہے کہ یہ بلیک میلنگ ہی کا کیس ہے۔ بلیک میل کئے جانے والے نے بلیک میل کو قتل کر دینا

چاہتا تھا، لہذا خود قتل کر دیا گیا۔ اب جن لوگوں کو بلیک میل کر رہا ہے۔ کم از کم وہ اس سے اچھے کا خیال ترک کر دیں گے۔ رہا تمہیں شہزاد کے ساتھ کھینچنے کا مقصد تو وہ اس کے علاوہ

اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اسے ہر طرح سے اور زیادہ مرعوب کر دیا جائے، کیوں کہ اس نے اس سے اچھے کی کوشش کی تھی!“

”لیکن آپ یہ تو دیکھئے کہ وہ ہمیں سنگ کا شریک سمجھنے لگی ہے!“

”فکر نہ کرو..... جلدی ہی اس کی غلط فہمی رفع ہو جائے گی، لیکن بہت زیادہ محتاط رہنے کی

ضرورت ہے کیونکہ سنگ کے پاس تمہارا ایک ہم شکل بھی موجود ہے۔“

”اُدھ۔ اسے تو میں بھول ہی گیا تھا..... کہیں سچ سچ سنگ اس معاملے کو یہی رنگ دینے

کی کوشش نہ کرے کہ ہم اس کے شریک ہیں۔“

”اس لیے زیادہ تر شہزاد کے ساتھ رہو..... اس نے تم سے دوستی کی خواہش بھی تو ظاہر

کی تھی!“

”ہاں..... آں ٹھیک ہے.....!“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا..... پھر چونک کر پوچھا۔ ”میری

گاڑی اور مینا کہاں ہے۔“

”دونوں بخیریت ہیں..... فون کر کے یہیں منگوائے دیتا ہوں۔“ فریدی پر معنی انداز میں مسکرایا۔



شہزاد نے بہت اچھے موڈ میں حمید کا استقبال کیا تھا لیکن مینا کے پنجرے پر نظر پڑتے

ہی برا سامنہ بنایا۔

”یہ کیا لیے پھر رہے ہو؟“

”میںا خاموش رہو.....!“ حمید نے اسے ڈانٹ پلائی۔

”شرم نہیں آتی ایک غیر عورت کے لیے مجھے ڈانٹتے ہو۔“

شہر زاد کو پھر ہنسی آگئی اور اس نے کہا۔ ”یہ تو بالکل تمہاری بیوی لگتی ہے۔“

”اچھا تو کیا میں نہیں ہوں۔“ مینا بہت زور سے چیخنی۔

”اب معاف بھی کر دو بیگم حمید..... میں ہاری۔“

مینا خاموش ہو گئی۔

”بیوی کسی قابل نہ ہونے کے باوجود بھی شوہر کو صرف اپنی ملکیت سمجھتی ہے۔“ حمید نے

ٹھنڈی سانس لی۔

”بس روٹیاں ہی تو نہیں پکا سکتی اور کس قابل نہیں ہوں۔“

”ہاں زبان کافی روانی سے چلا سکتی ہو..... میں بھی ہارا۔“

”اس کا پنجرہ گاڑی ہی میں چھوڑ آؤ تو بہتر ہے۔“ شہر زاد بولی۔

پھر مینا احتجاج ہی کرتی رہ گئی تھی اور اسے گاڑی میں پہنچا دیا گیا تھا۔

”تمہائی میں خاصا جی بہلتا ہو گا اس سے۔“ شہر زاد نے واپسی پر کہا۔

”بالکل بیویوں کی طرح دماغ چاٹ ڈالتی ہے!“

”خیر..... ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ بارہ گھنٹے کے اندر میں دو لاکھ کا انتظام نہیں کر سکتی۔“

”سوال تو یہ ہے کہ آپ کریں ہی کیوں.....؟ آپ کے خلاف اس کے پاس کیا ہے کہ

وہ آپ کو بلیک میل کرے گا۔“

”کیپٹن حمید..... یہ بلیک میلنگ نہیں زبردستی ہے..... اس سانپ کا بھی مطلب تھا کہ مجھے

کسی وقت بھی موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے..... دو لاکھ ادا کرو۔ ورنہ مار ڈالی جاؤ گی!“

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ملازم اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

”کیا ہے۔“ شہر زاد نے جھلا کر پوچھا۔

”حضور..... وہ بڑی گندی گندی گالیاں دے رہی ہے ہم سب کو کہتی ہے۔“ ”مجھے اندر

پہنچا دو..... میں بالکل خاموش رہوں گی!“

حمید نے بے بسی سے شہر زاد کی طرف دیکھا۔

”وہ محض اتفاق تھا۔“

”اچھی بات ہے..... ابھی امتحان ہو جاتا ہے۔“

دفعۃ مینا چیخنی ”ہوشیار!“ اور حمید اچھل کر کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے پیچھے تین قد آور

اور بے حد توانا آدمی ہاتھوں میں بڑے بڑے چاقو سنبھالے کھڑے تھے۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید کے بغلی ہولسر سے ریو اور نکل آیا لیکن ساتھ ہی کوئی سخت چیز

پشت پر جمی اور اس سے ریو اور زمین پر ڈال دیئے کو کہا گیا اس کی پشت پر غالباً کسی ریو اور کی

نال تھی۔

حمید نے ریو اور تو فرش پر ڈال دیا لیکن بڑی پھرتی سے بیٹھ کر پیچھے والے آدمی کو

سامنے والوں پر اچھال پھینکا۔

اس کا ریو اور اب پھر اس کے قبضے میں تھا۔ انہیں کور کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”دوستو! اپنے چاقو فرش پر ڈال دو!“

”ہیر ہیر.....!“ شہر زاد محظوظ ہو کر تالی بجاتی ہوئی اپنے آدمیوں سے بولی۔ ”بس جاؤ!“

حمید اسے ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے کسی پاگل سے سابقہ پڑ گیا ہو۔

”بیٹھ جاؤ کھیل ختم ہو گیا..... واقعی تمہاری مینا بہت کارآمد ہے۔“ شہر زاد مسکرا کر بولی۔

”شکریہ۔ مینا تم بھی شکریہ ادا کرو۔“

”مجھے حماقتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ مینا نے جواب دیا..... اور شہر زاد اسے تہر آلود

نظروں سے دیکھنے لگی۔

”مینا ڈارلنگ..... ایسی نامناسب بات نہ کرو..... مادام شہر زاد بہت ذہین ہیں!“

”میں تمہارے قریب کسی عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔“ مینا بولی۔

اس پر شہر زاد نے ایک بھر پور قہقہہ لگایا۔

”میں ڈیوٹی پر ہوں بی مینا.....!“ حمید نے کسی قدر غصیلے پن سے کہا۔

”عورتوں پر ڈیوٹی نہ لگایا کرو تو بہتر ہے۔“

”اسے خاموش کر دو۔ ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گی۔“ شہر زاد کو پھر غصہ آ گیا۔

”ذرا پنجرہ تو کھولنا میرا۔ سر پر ایک بال نہ رہنے دوں گی۔“

”منکولو! پنجرہ.....!“

حمید خود ہی اٹھ کر باہر گیا اور گاڑی سے پنجرہ نکال لیا۔

شہزاد کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک لہرا رہی تھی۔ وہ اٹھ کر حمید کے قریب آئی اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر مسکرانے لگی۔

”ارے ہٹو..... ارے ہٹو..... دور ہٹو!“ مینا چیخنے لگی۔ ”تمہارے ہاتھ ٹوٹیں..... کیڑے پڑیں..... آدھی رات کو جنازہ نکلے!“

”بھئی کیوں آپ کو سننے سن رہی ہیں۔“ حمید نے شہزاد سے کہا۔ وہ ہنس ہنس کر حمید پر گرتی رہی۔

”اچھا..... اچھا..... یہ ہنسی ہنسی کے بہانے..... اللہ رے..... چالاک عورت!“

شہزاد پر اس بُری طرح ہنسی کا دورہ پڑا کہ وہ صوفے پر ڈھیر ہو گئی اور حمید مینا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”چلو یہاں سے..... میں ایک منٹ بھی نہیں رکنے دوں گی۔“ مینا چیخی۔

دفعۃً فون کی گھنٹی بجی اور شہزاد صوفے سے اٹھ کر میز کے قریب آئی۔

”ہیلو۔“ کہہ کر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگی تھی۔ پھر بہت بُرا سا منہ بنا کر اس نے ریسپور رکھا تھا اور مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”کون تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”کوئی دوسرا یا رہو گا.....!“ مینا بول پڑی۔

”سچ سچ مار ڈالوں گی!“ شہزاد پنجرے کی طرف جھپٹی ہی تھی کہ حمید اس کی راہ روکتا ہوا

بولا۔ ”آپ ہی نے پنجرہ منگوا لیا تھا..... میں اسے پھر گاڑی میں چھوڑے آتا ہوں۔“

وہ پنجرہ اٹھا کر دروازے کی طرف دوڑا..... مینا ”نہیں نہیں!“ کی تکرار کرتی رہی۔

باہر نکل کر اس نے مخاطب کیا..... ”یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے بی مینا!“

”سنئے..... کپتان صاحب! آپ سے پہلے میں ایک بوڑھے ماہر نفسیات کے پاس تھی

جو دن رات میرا دماغ چاٹتا رہتا تھا!“

”ارے تو اب تم میرا دماغ تو نہ چاٹو.....!“

”میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ یہ عورت..... عورت نہیں ہوتی!“

”پلیز بی سیڈ.....!“ حمید نے گاڑی میں پنجرہ رکھتے ہوئے کہا۔

”پچھتاؤ گے..... ڈارلنگ!“

حمید ڈرائیونگ روم میں واپس آ گیا۔ شہزاد ابھی تک فون کے قریب ہی کھڑی تھی۔

”زرد فتنہ کی کال تھی..... اس نے کہا تھا کہ پانچ بار زیر و ڈائیل کر کے جب چاہو مجھ

سے فون پر رابطہ قائم رکھ سکتی ہو!“

”اب آپ کیا کریں گی!“

”بارہ گھنٹے کے اندر اس کا مطالبہ پورا نہیں کر سکتی!“

”مطالبہ پورا کیجئے..... دو لاکھ کی کرنسی میں مہیا کر دوں گا۔“

”کیا مطلب؟“

”میں آپ کے لیے جان تک دے سکتا ہوں.....!“

”کیپٹن حمید میں کل نہیں پیدا ہوئی تھی۔“

”چاہے جب بھی پیدا ہوئی ہوں..... مجھے اس سے سروکار نہیں جب دل چاہے میرے

جذبات کی شدت کو آزما لیجئے۔“

”اگر اپنے جذبے کی قدر ہی کرانا چاہتے ہو تو فی الحال مجھے تنہا چھوڑ دو!“

”بہت بہتر..... ہم لوگ دراصل آپ ہی کے توسط سے اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔

آپ نہیں چاہتیں..... یہ لیجئے..... میں چلا!“

”ٹھہرو.....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی..... ”بھلا میں کیوں نہ چاہوں گی۔“

”آپ ہی کو علم ہو گا..... میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں!“

پھر وہ تیزی سے باہر نکلا چلا آیا تھا۔

جب گاڑی میں بیٹھ رہا تھا تو اس نے مینا کے ہنسنے کی آواز سنی۔

”شٹ آپ.....!“ وہ بھنا کر بولا اور گاڑی اشارٹ کر دی۔

ایک جگہ گاڑی روک کر اس نے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فریدی کے آفس کے نمبر

ڈائیل کیے وہ موجود نہیں تھا لیکن کوڈ ورڈز میں اس کے لیے ایک پیغام چھوڑ گیا تھا۔

اندھیرا پھیلنے لگا تھا..... ہائی سرکل کے پارکنگ شیڈ میں گاڑی پارک کرنے کے بعد اس نے پائپ سلگایا تھا اور اسے دانتوں میں دبائے خراماں خراماں عمارت کی طرف چل پڑا تھا۔ فریدی ہال میں دکھائی نہ دیا۔ البتہ شہزاد پر پہلے ہی نظر پڑی تھی۔ حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

دونوں کی نظریں ملیں اور حمید نے محسوس کیا جیسے شہزاد کو یک بیک غصہ آ گیا ہو۔ حمید نے دیدہ دانستہ اس کی طرف سے توجہ ہٹائی اور ایک خالی میز کی طرف بڑھا۔ اس کے لیے اسے شہزاد کے قریب سے گزرنا پڑا تھا۔

”ٹھہرو.....!“ وہ سخت لہجے میں بولی۔

حمید رک کر اس کی طرف مڑا ہی تھا کہ وہ چیخ مار کر اچھل پڑی۔ ایک بڑا سیاہ بچھواس کی ساڑھی پر چڑھا جا رہا تھا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے ہاتھ مار کر اسے دوسری طرف جھٹک دیا اور پھر وہ فوراً ہی مار ڈالا گیا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے تھے شہزاد نیم مردہ سی حالت میں کرسی پر پڑی بری طرح ہانپ رہی تھی۔

## دوسرا اندھیرا

شہزاد کے گرد بھیر لگ گئی تھی۔ حمید دوسروں کے پیچھے تھا اور شہزاد کی شکل نہیں دیکھ سکتا تھا۔

دفعۃً اسے صدر دروازے کے قریب فریدی نظر آیا جو اسے اشارے سے بلا رہا تھا..... حمید تیزی سے اس کی طرف بڑھتا چلا گیا پھر دونوں ہی باہر نکل گئے تھے۔

”اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو.....!“ فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لنگن کی طرف کھینچتے

اس پیغام کے مطابق اسے سیدھا گھر پہنچنا تھا..... صرف اتنی سی بات کے لیے کوڈورز میں پیغام چھوڑنا اس کی سمجھ میں نہ آ سکا۔

بہر حال وہیں سے اس نے گھر کا رخ کیا۔ میناب بالکل خاموش تھی پیغام کے سلسلے میں کوڈ کا استعمال اسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا وہ گھر بھی پہنچ گیا لیکن یہ الجھن رفع نہ ہوئی کیونکہ فریدی گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ مینا کا پنجرہ میز پر رکھ کر وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

”خود بولو یا مجھے بولنے دو۔“ دفعۃً مینا بولی۔

”تم ہی بولو..... میں تھک گیا ہوں۔“

”وہ عورت یاد آرہی ہے؟“

”کیا سچ مجھ تم میرے قریب کسی عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتیں۔“

”ہاں..... کیونکہ تم عورتوں کے سامنے بالکل بے وقوف لگتے ہو!“

”عورتوں کے دلوں میں سما جانے کے لیے بے وقوف ہونا بے حد ضروری ہے۔“

جواب میں مینا نے بھی کچھ کہا تھا جسے وہ نہ سن سکا کیونکہ اسی وقت فون کی گھنٹی بھی بجنے لگی تھی۔

”ہیلو.....!“

”تم گھر پہنچ گئے۔“ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

”اب آپ اس طرح چوری چھپے مجھے اپنے گھر بلائیں گے۔“ حمید نے نسوانی لہجے میں

جلا کٹا انداز اختیار کیا۔

”کیوں بور ہوتے ہو..... ہائی سرکل پہنچ جاؤ..... لیکن وہ لغویت ساتھ نہ ہونی چاہیے۔“

”مینا.....!“

”ہاں.....!“

حمید نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور رکھ دیا۔

”میرا کیا ذکر تھا۔“ مینا نے سوال کیا۔

”یہی کہ تم بہت اچھی ہو..... اور فی الحال یہیں قیام کرو گی!“

پھر مینا چیختی ہی رہ گئی تھی اور وہ لباس تبدیل کر کے گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔

”اوہو..... میں تو بھول ہی گیا تھا.... جی ہاں میں اس پر متحیر تھا!“

”اس طرح سنگ کا وہ ایجنٹ پکڑا گیا جو ہمارے آپریشن روم میں کام کر رہا تھا اس نے سنگ کو مطلع کیا تھا کہ حمید کے لیے ایک پیغام کوڈ ورڈز میں دیا گیا ہے۔ بس وہ اسی وقت پکڑ لیا گیا۔“

”کون تھا؟“

”جوائے مکر جی..... دس سال پرانی ملازمت..... سنگ لوگوں کو درغلانے کا ماہر ہے.... بہر حال ہمارے احوال سے اس کی اس قدر باخبری کا راز یہی ہے کہ خود ہم میں اس کے ایجنٹ موجود ہیں!“

”اس کے نہیں۔ زیرولینڈ کے ایجنٹ ہیں۔“

”یہی سمجھ لو!“

”اب ہم کہاں جا رہے ہیں!“

”فی الحال کسی فون پر فائیناٹ کو آزماؤں گا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اسے شہر زاد کا فون ٹیپ کیے جانے کی اطلاع بھی جوائے مکر جی سے مل چکی ہوگی لہذا اس فون پر کسی پیغام کی افادیت معلوم!“

”تو پھر شہر زاد نے جھوٹ بولا ہوگا۔“

دفعۃً فریدی نے گاڑی روک دی اور حمید سے بولا۔ ”اترو۔ ذرا اس ٹیلیفون بوتھ سے پانچ صفر آزمانے چاہئیں۔“

وہ دونوں بوتھ میں پہنچے تھے۔ فریدی نے پانچ بار صفر ڈائل کر کے ہیرنگ پیس کان سے لگا لیا۔

”ہیلو“ کہہ کر وہ بے اختیار ہنس پڑا تھا..... اور ریسورس حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا تھا۔

”تمہارے لیے ہے!“

حمید نے ریسورس کان سے لگا کر بڑی شان سے ”ہیلو“ کہا اور دوسرے ہی لمحے میں دوسری طرف سے گندی گندی گالیاں سننے لگا۔

”اے ہوش میں ہو یا نہیں!“

”کیوں حلق چھاڑ رہے ہو۔“ فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”یہ نمبر کسی

ہوئے کہا۔

”سوال تو یہ ہے کہ.....!“

”شٹ اپ..... میرے ساتھ چلو!“

پارکنگ شیف سے بیک وقت تین گاڑیاں باہر نکلی تھیں۔ حمید سمجھ گیا کہ دوسرے فریدی کے محافظ ہی ہو سکتے ہیں۔

”اس وقت اس کی ساڑھی پر کچھو چل رہا تھا۔“ حمید کچھ دیر بعد بولا۔

”دیکھتے جاؤ۔“

”تو کیا یہی دکھانے کے لیے یہاں میری طلبی ہوئی تھی!“

”نہیں..... میں ذرا دیر سے پہنچا ورنہ باہر ہی ملاقات ہو جاتی۔“

”سنگ نے اس سے کہا ہے کہ وہ پانچ بار صفر ڈائل کر کے اس سے فون پر جب چاہے رابطہ قائم کر سکتی ہے۔“

”وہ کال تمہاری موجودگی میں آئی تھی!“

”جی ہاں.....!“

”اچھی بات ہے..... ہم کہیں سے اسے رنگ کر کے تصدیق کیے لیتے ہیں!“

”اوہو..... تو آپ کا خیال ہے شہر زاد مجھ سے جھوٹ بولی تھی!“

”یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

اس کے بعد حمید نے شہر زاد کے یہاں پیش آنے والے واقعات بیان کیے تھے۔

”ہمارے سلسلے میں وہ یقین و تشکیک کی کشمکش میں مبتلا ہے۔“ فریدی بولا۔

”تو گویا سنگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔“

”کوشش یہی ہے..... تم خود سوچو اگر کوئی بلیک میلر کسی ذمہ دار آفسر کے توسط سے شہر

کے معزز چوروں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرے تو کیا اسے اپنے مطالبات منوانے میں زیادہ دشواری پیش آئے گی!“

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”تمہیں اس پر حیرت ہوگی کہ میں نے تمہیں گھر پہنچنے کی ہدایت کوڈ ورڈز میں کیوں دی تھی!“



”آپ اس کی بھی فکر نہ کیجئے میرا جوابی بیان سب کو مطمئن کر دے گا۔“

”اب شاید میں چین سے سو سکوں۔“ سیکرٹری گلوگیر آواز میں بولا۔

وہ رخصت ہو گیا اور باڈی گارڈز شہزاد کی میز کے قریب کھڑے رہے اس سے قبل وہ قریب ہی والی ایک میز پر تھے اور شہزاد اپنی میز پر تباہ تھی۔

ان باڈی گارڈز میں سے ایک ریٹائرڈ فوجی تھا جسے دو دن پہلے ملازم رکھا گیا تھا۔ گھٹیلے جسم والے اس ادھیڑ عمر آدمی کا نام اشع تھا۔ شہزاد اس وقت اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے وہی ان سارے واقعات کا ذمہ دار ہو۔

”تم یہاں بیٹھ جاؤ۔“ دفعتاً اس نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے اشع سے کہا اور دوسرے سے بولی۔ ”تم اپنی میز پر واپس جاؤ۔“ دونوں ہی نے حکم کی تعمیل کی تھی۔

”تمہیں آصف نے ملازم رکھا تھا۔!“ اس نے اس سے سخت لہجے میں سوال کیا۔

”یس مادام۔!“ اشع نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

”لیکن میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“

”میں اپنے کاغذات ہر وقت ساتھ رکھتا ہوں۔“

”اس نے کیا کہا کہ تمہیں ملازم رکھا تھا۔“

”یہی کہ آپ کو کسی دشمن سے خطرہ ہے! لیکن کسی وجہ سے آپ پولیس سے نہیں رجوع کرنا چاہتیں۔“

”پھر تم کیا کر سکتے؟ وہ بچھو کہاں سے آیا تھا۔!“

”خداوند! تو کیا۔۔۔۔۔؟“ اس کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ وہ اسی دشمن کی حرکت تھی!“

”مادام۔!“ اشع آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ ”اگر آپ مجھے اس کا نام اور پتہ بتا

سکیں تو یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔“

”کیا مطلب؟“

”صبح کے اخبارات میں آپ دیکھ لیں گی کہ اسے کس نے قتل کیا۔“

ایسے ٹیپ ریکارڈ سے انچ کر دیا گیا ہے جس میں صرف گالیاں ریکارڈ کی گئی ہیں سنگ اپنے مقابل کو اسی طرح چراتا ہے۔ اسے علم تھا کہ تم شہزاد کے پاس موجود ہو اسی لیے اس نے اسے وہ نمبر بتائے تھے اور مجھے یقین ہے کہ اس نمبر پر شہزاد کی آواز سن کر وہ معاملے کی بات کرے گا۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ جوئے مکر جی کی گرفتاری کا علم ہو جانے کے بعد اس نے شہزاد سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی اور ذریعہ تلاش کر لیا ہوگا۔“ وہ پھر گاڑی میں جا بیٹھے۔

شہزاد تباہ نہیں تھی۔ اس کے ساتھ دو باڈی گارڈ بھی تھے لیکن کسی کو بھی علم نہ ہو سکا کہ بچھو کہاں سے آیا تھا۔ ذرا حالت سدھرنے پر وہ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کلب کا سیکرٹری سامنے ہاتھ باندھ کھڑا تھا۔

”آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔“ اس نے سیکرٹری سے نرم لہجے میں کہا۔ ”بچھو کہیں باہر سے میرے ساتھ آیا تھا۔ یہاں آنے سے قبل میں کچھ دیر شاہی باغ کے لان میں بھی بیٹھی تھی۔“

”پھر بھی میں شرمندہ ہوں مادام۔“ سیکرٹری گڑبڑایا۔

”کیپٹن حمید کہیں نظر نہیں آتے۔“ وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”دراصل اس وقت کیپٹن ہی نے میری جان بچائی تھی۔“

”میں نے تو نہیں دیکھا۔“

”خیر۔۔۔۔۔!“ وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”اے بھول جائیے؟“

”میں تو آپ کی عنایت سے بھول ہی جاؤں گا مادام۔۔۔۔۔! لیکن صبح کے اخبارات ہائی سرکل کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں گے۔“





”آخر ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ حمید اکتا کر بولا۔  
 ”ایک خاص خیال کے تحت ایک تجربہ کرنا ہے.....!“ فریدی نے کہا اور لکسن کی رفتار  
 کچھ اور بڑھا دی۔

وہ اب شہر کے باہر تھے..... سڑک سنسان تو نہیں تھی..... لیکن اگر کوئی ان کا تعاقب کرتا  
 تو وہ بہ آسانی اس سے باخبر ہو سکتے تھے۔  
 ”کیا پچھلی گاڑیوں میں اپنے ہی آدمی ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔  
 ”ہاں مطمئن رہو!“

حمید نے اس تجربے کے بارے میں کچھ نہ پوچھا جس کا ذکر ابھی فریدی نے کیا تھا۔ وہ  
 سوچ رہا تھا کہ مناسب سمجھے گا تو خود ہی وضاحت کر دے گا ورنہ قبل از وقت اس سے کچھ  
 معلوم کر لینا آسان کام نہیں..... خواہ مخواہ اپنی ہی بات گرے گی۔  
 ”کیا ہماری منزل نیا گرا ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ہاں۔ ہم وہیں کھانا کھائیں گے!“  
 ”کوئی خاص وجہ.....!“  
 ”میرا خیال ہے کہ وہ تجربہ بھی وہیں ہو جائے گا۔“  
 ”کیا خالی پلیٹیں چبانی پڑیں گی۔“

”ہم لوگ کسی منجن کے بیوپاری تو نہیں۔“  
 ”اونہہ.....! جہنم میں جائے۔ اگر اس تجربے کا ایک جزو یہ ناخبر بھی ہے تو خود ہی اپنی  
 خیریت دریافت کر لے گا۔ ابھی سے کیوں مرا جا رہا ہے۔“  
 ”اب میں تمہیں کچھ دنوں کے لیے کسی ایسی جگہ بھجوا دوں گا جہاں دور دور تک کسی  
 عورت کا پتہ نہ ہو۔“

”وہ مکار ہے..... سامنے نہیں آتا..... چھپ کر وار کرتا ہے۔ اس کے صحیح پتے کا مجھے علم نہیں!“  
 ”تب تو اس کے لیے کسی مکار ہی آدمی کا تعاون حاصل کرنا چاہیے۔ میں آپ کے لیے  
 سینے پر گولی کھا سکتا ہوں لیکن زیادہ چالاک آدمی نہیں ہوں!“

”تو پھر تمہارا مصرف ہی کیا ہے۔ اس وقت اگر محکمہ سرانصرسانی کا ایک آفیسر اتفاقاً ادھر  
 نہ آ نکلتا تو اس خوفناک کچھو نے میرا کام تمام کر دیا ہوتا اور تم دونوں بیٹھے ہی رہ جاتے۔“  
 اشع کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھرائی  
 ہوئی آواز میں بولا۔ ”پورے شہر میں صرف ایک ہی آدمی شاید آپ کا یہ کام پٹا سکے۔“  
 ”میں نہیں سمجھی.....!“

”آج کل وہ بھی بے کار ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس میں میرا آفیسر تھا حیرت انگیز قوتوں اور  
 صلاحیتوں کا مالک ہے!“

”کیا وہ میری ملازمت قبول کر لے گا؟“  
 ”کیوں نہیں؟ وہ بھی ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہا ہے۔!“  
 ”تو پھر اس سے رابطہ قائم کرو۔ کیا نام ہے اس کا؟“  
 ”فرعام۔ کیپٹن فرعام.....!“

”اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر اگر میرا دشمن قابو میں نہ آیا تو مجھے ایک بہت بڑے  
 خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پہلے اس نے صرف بارہ گھنٹے کی مہلت دی تھی اب  
 اڑتالیس گھنٹے دے کر اپنی بات منوانا چاہتا ہے!“  
 ”وہ کیا چاہتا ہے مادام؟“

”مجھے بلیک میل کر رہا ہے..... لیکن میں اس کا مطالبہ پورا نہیں کر سکتی!“  
 ”اوہو۔ تب تو کیپٹن فرعام اپنے دس کام چھوڑ کر آپ کا کام کرے گا۔ بلیک میل سے  
 پننا اس کی بالی ہے۔“

”جلد سے جلد..... اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو۔“  
 ”بہت بہتر مادام!“  
 ”مجھے کوئی پہنچا کر یہ کام کرنا۔“

”اسے آپ ہی شہر زاد کیسے مجھے تو برا عظم زاد معلوم ہوتی ہے.....!“

”عورت خوش ذوق ہے۔“

”ایک محبوب کے مرتے ہی دوسرے کی تلاش شروع کر دی۔“

”کیا یہ خوش ذوقی نہیں ہے حمید صاحب!“

”جناب عالی آپ نہ عورت ہیں اور نہ محبوب لہذا سوچ سمجھ کر بات کیجئے۔“

”لکھن نیا گرا کی کپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ گاڑی پارک کر کے وہ عمارت میں داخل ہوئے۔ ڈائمنگ ہال پوری طرح آباد تھا۔“

”میں نے میز مخصوص کر رکھی ہے۔“ فریدی نے دروازے کے قریب ہی رک کر کہا۔

”ادھر بائیں جانب دیکھو..... دیوار کے پاس والی چوتھی میز پر ایک آدمی ہے!“

”اوں..... ہوں.....!“ حمید اسی سمت دیکھتا ہوا بولا ”ہے تو..... وہی نا..... جس کی پشت ہماری طرف ہے۔“

”وہی وہی۔ بس تم اس کے سامنے جا کر کھڑے ہو جانا اور میں اس میز پر جا رہا ہوں جو اپنے لیے مخصوص کرائی ہے۔“

”بہت اچھا.....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں سمجھا تھا شاید یہ تجربہ بھی کسی عورت ہی پر ہو گا۔“

فریدی کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا..... حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا بائیں جانب والی چوتھی میز کے قریب پہنچا۔

اس آدمی کی پشت اب بھی اسی کی طرف تھی لیکن جیسے ہی حمید اس کے سامنے پہنچا وہ چونک پڑا۔ صورت جانی پہچانی سی تھی۔ مگر حمید کو یاد نہ آ سکا کہ اس نے پہلے اسے کہاں دیکھا تھا۔ اس نے اس کے چہرے پر خوف کے آثار محسوس کیے۔

”اوہ..... کیپٹن..... پلیز بی سیٹل.....!“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”شکریہ.....!“ حمید خشک لہجے میں بولا اور اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

اس آدمی کی انگلیوں میں سگریٹ لرز رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے وہ بہت زیادہ نروس ہو گیا ہو..... حمید خاموش بیٹھا اسے گھورتا رہا..... اچھی خاصی جسامت کا آدمی تھا..... توئی بھی مضبوط

”کیوں؟“

”بالکل عورتوں ہی کے سہ انداز میں جلی کٹی باتیں کرنے لگے ہو۔ کسی دن اوئی اور نوج بھی سن لوں گا!“

”موڈرن عورت اوئی اور نوج نہیں بولتی۔ انگریزی بالکل نہ آتی ہو تب بھی امریکن لہجے میں اردو بولتی ہے۔“

”ہاں میں نے بھی سنا ہے!“

”اوہو۔ تب تو اب آپ بھی عورتوں کی طرف توجہ دینے لگے ہیں۔“

”ہر انوکھی چیز اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔“

”عورت خوبصورت ہو تو ہر قسم کا لہجہ برداشت کیا جاسکتا ہے۔“

”خوبصورت عورتیں دوسروں کو متوجہ کرنے کے لیے کوئی انوکھا پن اختیار نہیں کرتیں۔“

ان کی خوبصورتی ہی کافی ہوتی ہے۔“

”کیا واقعی میری گردن کو ادا دینے کا ارادہ ہے۔“ حمید چونک کر بولا۔

”کیوں؟“

”اب مجھے غیر ضروری باتوں میں الجھا کر اس تجربے کی طرف دھیان ہٹا لینے پر آمادہ کر رہے ہیں۔“

”عورتوں ہی کی تو باتیں کر رہا ہوں۔“

”کبھی کبھی عورتیں بھی زہر لگنے لگتی ہیں۔“

”وہ کون سے مبارک مواقع ہوتے ہیں حمید صاحب!“

”جب میں زندگی سے بیزار ہوتا ہے۔“

”کب آپ زندگی سے بیزار ہوتے ہیں۔“

”جب کوئی عورت نہیں ملتی۔“

”ایک ملی تو ہے پھر آپ کیوں بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔“

”شہر زاد.....!“

”ہاں..... ہاں..... کیا وہ تمہارے معیار کی نہیں!“

فریدی کی تلاش شروع کر دی لیکن وہ ڈائینگ ہال میں تو نہیں تھا۔ تھک ہار کر باہر نکلا اور پارکنگ شیف کی طرف چل پڑا۔ یہاں نہ لنگن دکھائی دی اور نہ ہی دونوں گاڑیاں جو ان کے عقب میں آئی تھیں۔

”یہ کوئی تجربہ تھا.... یا مسخرہ پن۔“ حمید جھنجھلاہٹ میں بڑبڑایا۔

بہر حال وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں فریدی کا خیال سچ نکلا۔ غالباً سنگ اس آدمی کو بلیک میل کر رہا تھا لیکن وہ اپنے پارٹنر کی عدم موجودگی میں اس کا کوئی مطالبہ پورا نہیں کر سکتا۔ سوال تو یہ ہے کہ فریدی اسے یہاں کیوں چھوڑ گیا۔ کیا ابھی تجربہ پورا نہیں ہوا۔

”تجربہ..... ہونہہ!...“ وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور پھر ڈائینگ ہال کی طرف چل پڑا۔ رات کے نو بج گئے تھے بھوک بھی لگ رہی تھی۔

جیسے ہی ہال میں داخل ہوا.... ایک ویئر نے بڑے ادب سے آگے بڑھ کر ایسی میز کی طرف اس کی رہنمائی کی جس پر ریزرویشن کارڈ پڑا ہوا تھا۔

ہوں تو یہ وہی مخصوص میز ہے اس نے سوچا اور بیٹھ کر مینو دیکھنے لگا اور پھر سر اٹھایا تو روح فنا ہو گئی۔ قاسم قریب ہی کھڑا اسے اس طرح گھورے جا رہا تھا جیسے حمید اس سے منہ چھپائے پھر رہا ہو۔

”تشریف رکھئے.....!“ حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

”اب تو تمہاری ہی کھوپڑی پر تشریف رکھتی ہے۔“ وہ کرسی کھینچتا ہوا بولا۔ ”گھر سے نکال دیا غیا ہوں۔“

”بہت دیر میں نکالے گئے۔“

”ٹھیکے سے..... ہائی سرکل سے تمہارا پیچھا کرتا ہوا آ رہا ہوں۔ جیب میں ایک پائی نہیں ہے.... بھونخ کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔“

”کیا مطلب!“

”گاڑی میں پٹرول بھی ختم ہونے والا ہے!“

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟“

”ہاں تمہارے علاوہ اب توئی سہارا نہیں!“

لگتے تھے۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ وجہ یہ بھی تھا۔

”مم..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ میری دشواری کو سمجھتے کیوں نہیں۔“ بالآخر وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہم دوسروں کی دشواریوں کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔“ حمید نے لہجے کی خشکی برقرار رکھی۔

”تو پھر کم از کم مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔“

”یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے!“

”میں کہتا تو ہوں کہ یہ معاملہ میرے پارٹنرز کی رضامندی کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔ ویسے میں ذاتی طور پر اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ یہاں کچھ خدمت کر دوں۔“

”پارٹنرز کو رضامند کیجئے!“

”ان میں سے ایک جاپان چلا گیا ہے۔“

”کب تک واپس ہوگی۔“

”یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

”تو پھر.... کام کیسے چلے گا۔“

”آپ ہی کوئی مفید مشورہ دیجئے۔“

حمید خاموش ہو گیا۔ ابھی تک یوں ہی اندازے سے اوٹ پٹانگ ہانکتا رہا تھا لیکن اب بات کسی ایسے مشورے کی آپڑی تھی جو خود اسے دینا تھا لیکن کس سلسلے میں؟ اس آدمی کی گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے حمید بھی اس مسئلے سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہو جو اس کے لیے الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ میں اس سلسلے میں کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتا۔“ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

”بہر حال اتنی مہلت تو ملنی چاہیے کہ میرا پارٹنرز جاپان سے واپس آ جائے!“

”اچھی بات ہے۔ اس پر غور کیا جائے گا۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

اس آدمی نے رسماً ہی اسے ایک کپ چائے کو بھی نہ پوچھا۔ وہاں سے ہٹ کر حمید نے

## لغافوں کا راز

رات کے تین بجے تھے۔ جب اشج نے اسے شہزاد کے سامنے پیش کیا۔  
کیپٹن فرعام خوفناک چہرے والا ایک قوی ہیکل آدمی تھا۔ خوف کی ٹھنڈی سی لہر  
شہزاد کے جسم میں دوڑ گئی۔ ایسی خوفناک آنکھیں پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ اس کی سٹی گم ہو  
گئی۔ بالآخر جی کڑا کر کے اتنا ہی کہہ سکی۔ ”آپ میرے لیے کیا کر سکیں گے؟“  
”حالات معلوم ہونے پر جو مناسب سمجھوں گا کروں گا۔“ فرعام نے جواب دیا۔  
اس کی آواز بھی ڈراؤنی تھی۔

”بلیک میلنگ کی وجہ تو نہیں بتائی جاسکتی۔“ شہزاد کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔  
”وہ میں پوچھوں گا بھی نہیں۔ مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے!“  
”یہ بہت اچھی بات ہے۔“ شہزاد طویل سانس لے کر بولی۔  
”معاملے کی نوعیت سمجھنے کے بعد ہی میں کام کا معاوضہ بھی بتاؤں گا۔ کیا ہماری گفتگو  
کے دوران میں اشج کی موجودگی ضروری ہے۔“  
”نہیں۔۔۔۔۔!“

”تو پھر تم جاؤ۔“ فرعام نے اشج کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔  
اشج نے شہزاد کی طرف دیکھا جس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فرعام  
کے ساتھ تنہا رہنا پسند نہیں کرے گی۔  
دفعۃً وہ بولی۔ ”جتنا کچھ اشج جانتے ہیں اس سے زیادہ میں آپ کو بھی نہ بتا سکوں گی۔“  
”یہ دوسری بات ہے۔“ فرعام نے لا پرواہی سے کہا۔ ”خیر ہاں بتائیے کہ مجھے کیا  
کرنا پڑے گا۔“

”میں اس کا مطالبہ پورا نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔ لیکن یہ بھی نہیں چاہتی کہ میرا ایک راز اس کی  
ذات سے آگے بڑھے۔“

”او بھائی قاسم۔۔۔۔۔ کیا تم مجھے بھی کوئی سرمایہ دار سمجھتے ہو!“  
”فکر نہ کرو۔۔۔۔۔ قبلہ والد صاحب کے مرنے سے بعد پائی پائی ادا قروں غا۔“  
”اور اگر میں پہلے مر گیا۔“

”خدا کرے ابھی مر جاؤ تاکہ میں تمہاری جیب سے بٹو پار کر لے جاؤں!“  
حمید نے ویٹر کو مطلوبہ اشیاء کی فہرست لکھوائی اور قاسم کو منہ چلاتے دیکھتا رہا۔ کھانے  
کے دوران دونوں خاموش رہے تھے۔ وہ آدمی اب وہاں موجود نہیں تھا جس سے کچھ دیر پہلے  
حمید نے گفتگو کی تھی۔

”دنیا مطلب کی ہے۔۔۔۔۔!“ قاسم لمبی سی ڈکار لے کر بولا۔  
”کیوں یہ کیوں کہا تم نے؟“  
”اور قیا۔۔۔۔۔ میرا خرچہ سر پرز گیا تو منہ سے آواز ہی نہیں نکل رہی۔“  
”کیوں بور کر رہے ہو۔“ حمید چڑ کر بولا۔ دراصل اس کا ذہن اس آدمی میں الجھا ہوا  
تھا۔ بل کی رقم ادا کر دینے کے بعد اس نے قاسم سے کہا۔ ”چلو تمہاری گاڑی میں پٹرول بھی  
ڈلوادوں!“

قاسم اٹھ ہی رہا تھا کہ حمید نے اس کی بانٹیں کھلتی دیکھیں جس سمت وہ دیکھ رہا تھا ادھر  
نظر اٹھی تو دو کیم شیم عورتیں نظر آئیں۔  
وہ انہی کی طرف آ رہی تھیں قریب پہنچیں تو قاسم کی ہی ہی ہی شروع ہو گئی۔  
”ڈارلنگ۔۔۔۔۔!“ دونوں بیک وقت بولیں۔ ”سارا زمانہ چھان مارا تمہارے لیے۔۔۔ اور  
تم یہاں چھپے بیٹھے ہو۔“

قاسم کی ”ہی ہی ہی“ کسی طرح رکھنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ کبھی حمید کی طرف  
دیکھتا تھا۔۔۔۔۔ اور کبھی ان دونوں کی طرف۔

اچانک ہال میں اندھیرا ہو گیا۔۔۔۔۔ شاید وہاں کا برقی نظام معطل ہو گیا تھا۔ اسی دوران  
میں کسی نے حمید کے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور اس کا ذہن بھی فوری طور پر اندھیرے میں  
ڈوب گیا۔

”خطوط یا کسی قسم کی دستاویز کا معاملہ ہے۔“

”نہیں۔ بس ایک راز ہے۔“

فرغام نے استفہامیہ نظروں سے اشج کی طرف دیکھا اور شہر زاد سے بولا۔ ”میں تنہائی میں گفتگو کر سکوں گا۔“

”اچھا تم باہر ٹھہرو.....!“ شہر زاد نے اشج سے کہا..... اور وہ برآمدے میں چلا گیا۔

”قتل کے بیس ہزار ہوں گے۔“ فرغام آہستہ سے بولا۔

”قتل.....!“ شہر زاد کے حلق میں پھندا سا پڑ گیا۔

”آپ کا راز اس کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا۔“

شہر زاد فوراً ہی کچھ نہ بولی۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں جھلکنے لگی تھیں۔

”اگر منظور ہو تو اس کا اتہ پتا بتائیے..... اب مجھے نیند آرہی ہے۔“

”دس منٹ کے اندر اندر آپ کے لیے کمرہ ٹھیک کر دیا جائے گا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن میں اس آدمی کے بارے میں جاننے کیلئے بے چین ہوں۔“

”وہ مقامی آدمی معلوم نہیں ہوتا۔“

”کوئی بھی ہو مجھے صرف نام اور پتہ چاہیے۔“

شہر زاد نے اپنا وینٹی بیگ کھول کر ایک وزینگ کارڈ نکالا اور اسے اس کے سامنے ڈالتی

ہوئی بولی۔ ”اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔“

اس کارڈ پر ایک طرف سنگ ہی کی تصویر تھی اور دوسری طرف زرد فنتہ تحریر تھا۔

”ارے..... یہ زرد فنتہ..... کل یا پرسوں کے اخبار میں اس کا ذکر تھا۔ کسی قتل کے سلسلے

میں..... اوہو ٹھیک اشج نے آپ کے سیکرٹری کے قتل کے بارے میں بھی بتایا تھا۔“

”ہاں..... میرا خیال ہے یہی شخص آصف کا بھی قاتل ہے!“

”یہ شخص.....!“ فرغام نے ڈراؤنا سا قہقہہ لگایا۔

”ہاں..... لیکن تم ہنس کیوں رہے ہو۔“

”کاش آپ نے کل شام کو اسے دو طوائفوں کے ہاتھوں پٹے دیکھا ہوتا۔“

”میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ شہر زاد نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”یہ ایک لوفر سا چینی ہے۔“

”ہاں مجھے بھی چینی ہی معلوم ہوتا ہے لیکن اہل زبان کی طرح اردو بولنے پر قادر ہے۔“

”کیا آپ اس سے مل چکی ہیں۔“

”ہاں..... ایک بار۔“

”رہتا کہاں ہے؟“

”یہ مجھے نہیں معلوم۔“

”خیر آپ فکر نہ کیجئے..... میں پتہ بھی معلوم کر لوں گا..... ورنہ طوائفوں کے محلے میں تو مل

ہی جائے گا۔ بہر حال تو آپ کو بیس ہزار منظور ہیں۔“

”یقیناً میں بیس ہزار دے سکوں گی لیکن میں آپ کو ایک خطرے سے بھی آگاہ کر دوں۔“

”وہ کیا ہے!“

”اسے کرنل فریدی کی حمایت حاصل ہے!“

”نہیں.....!“ فرغام بے ساختہ چونک پڑا۔

”یقیناً کیجئے.....!“

”دیکھئے محترمہ..... میں اس پر کسی طرح یقین نہیں کر سکتا کہ کرنل فریدی کسی مجرم کی

پشت پناہی کرے گا؟“

”اچھی بات ہے! تو سنئے کہ میں کس بناء پر ایسا کہہ رہی ہوں۔“ شہر زاد نے کہا اور کیپٹن

حمید کی کہانی دہرانے لگی۔

اس کے خاموش ہوتے ہی فرغام بے اعتباری سے ہنسا تھا.....!

”کیوں۔ کیا مطلب؟“

”محترمہ..... یہ اچھی خاصی داستان امیر حمزہ ہے..... ارے یہ مفلوک الحال چینی.....

لاجول ولا قوۃ..... شاید آپ نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ شہر زاد جھنجھلا کر بولی۔ ”اگر آپ میرا کام کر سکیں تو بیس ہزار

حاضر ہیں۔“

”پانچ ہزار ایڈوانس..... حالات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد بقیہ پندرہ ہزار بھی

پیشگی ہی لوں گا۔“

”یہ غلط ہے۔ دس ہزار پہلے اور بقیہ دس ہزار کام کے بعد..... میں ایک باعزت فرد ہوں اپنے وعدے سے نہیں پھروں گی۔“

”اچھا یہی سہی!“



کیپٹن حمید کی آنکھ کھلی تو خود کو ایک آرام دہ بستر پر پایا۔ قریب ہی ایک بوڑھی عورت کھڑی اسے گھورے جا رہی تھی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

”لیٹے رہو..... میرے پیارے..... ایسی بھی کیا بدحواسی۔“ بڑھیا مسکرا کر بولی۔

”کیا بکواس ہے..... تم کون ہو.....!“ حمید بھنا کر بولا۔

”اٹھا..... اب مجھ بھی نہ پہچانو گے۔ پچھلے سال ہماری شادی نیویارک میں ہوئی تھی۔“

”میرے دادا جان سے.....!“

”آنکھیں نکال لوں گی..... اگر بدکلامی کی۔ چلو اٹھو ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کوئی کل ہی سیدی نہیں۔“

حمید نے بڑی تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلائی اور بستر چھوڑ دینا..... پچھلی رات کے واقعات یاد آرہے تھے۔

”سنگ.....!“ اس نے طویل سانس لی اور بڑھیا کو گھورتا ہوا بولا۔ ”سنگ کہاں ہے.....!“

”یہ کیا چیز ہوتی ہے!“

”میں سنگ ہی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔“

”کس زبان میں پوچھ رہے ہو؟“

”بھاگ جاؤ.....!“ وہ گھونسا تان کر اس کی طرف جھپٹا اور وہ چیختی چلاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

حمید بھی اس کمرے سے نکل آیا..... یہ ایک طویل راہداری تھی جس کی دونوں اطراف

میں دروازے اور کھڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔

وہ چاروں طرف دوڑتا پھرا لیکن نہ تو وہاں کوئی دکھائی دیا اور نہ باہر ہی نکل جانے کی کوئی سبیل نظر آئی..... البتہ ایک کمرے میں ناشتے کی میز تیار ملی۔

”سنگ کہاں ہو سامنے آؤ.....!“ وہ حلق پھاڑ کر چیخا لیکن صرف اپنی آواز کی گونج ہی سنی۔

گھڑی سات بج رہی تھی..... اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے..... آخر تھک ہار کر ناشتے کی میز پر ہی جتنا پڑا۔

آخر اتنی جلدی بڑھیا کہاں غائب ہو گئی..... وہ سوچتا رہا۔ اب سنگ کا کھیل پوری طرح اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

اس کا ہمشکل سب سے پہلے قاسم پر آزمایا گیا تھا اور قاسم دھوکہ کھا گیا تھا۔ اس طرح اس کے سلسلے میں سنگ نے پوری طرح اطمینان کر لینا چاہا تھا۔ ظاہر ہے کہ قاسم سے زیادہ موزوں اس کے لیے کون ہوتا کیونکہ وہ اس سے بہت زیادہ قریب تھا جب وہی اسے حمید سمجھ بیٹھا تھا تو جنہوں نے اسے دور ہی دیکھا ہوگا۔ کیوں نہ دھوکہ کھا جائیں گے۔ پچھلی رات نیاگرا میں اس اجنبی سے جو گفتگو ہوئی تھی۔ حرف بحرف یاد آ گئی..... اس سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ پہلے بھی نقلی کیپٹن حمید سے اس سلسلے میں گفت و شنید کر چکا ہے۔

فریدی اسی دوران نیاگرا سے غائب ہو چکا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس نے بہر حال اس پر نظر رکھی ہوگی..... وہ سوچتا رہا..... لیکن پھر اس قسم کا دوسرا وقوعہ یاد آیا اور وہ مایوس ہو گیا۔

فریدی اس بار بھی سنگ تک نہیں پہنچ سکا..... سنگ ہی مقصد براری کے بعد اسے اور شہزاد کو خود ہی چھوڑ بھاگا تھا..... ان دونوں کے اغوا کے سلسلے میں سنگ نے جو تکنیک شہزاد کی کوششی میں اختیار کی تھی وہی نیاگرا میں بھی بروئے کار لایا تھا۔ یہ نہیں کتنی دیر تک ہال میں اندھیرا رہا ہو..... فریدی نے پوری عمارت کی ناکہ بند کرانہ رکھی ہوگی۔

وہ ناشتے کی میز سے اٹھ کر پھر اسی کمرے میں آیا جہاں بیدار ہوا تھا۔

اس بار بھی اس کیلئے نئے پائپ اور پرنس ہنری کے تمباکو کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تمباکو کے ڈبے کے نیچے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نظر آیا..... حمید نے اسے کھول کر دیکھا تحریر اسی کی تھی۔

پیارے حمید!



حمید نے اشارے سے بتایا کہ وہ اندھیرے میں کسی سے ٹکرا گیا تھا زبان کٹ گئی ہے۔  
لہذا وہ بول نہیں سکتا۔

پھر عورتیں اسے بھی ساتھ لے کر نیا گرا سے باہر نکل آئی تھیں۔  
وہ اسے اور قاسم کو اپنے گھر لے جانا چاہتی تھیں..... لیکن قاسم سوچ رہا تھا کہ کہیں حمید  
کوئی گھپلا نہ کر دے۔

وہ انہیں اپنی ہی گاڑی میں لے گئی تھیں۔ قاسم کی گاڑی وہیں چھوڑ دی گئی تھی۔  
دوسری صبح قاسم جاگا تو اسے یاد آیا کہ ان کے ڈرائیونگ روم میں بیٹھ کر اس نے کافی پی  
تھی..... اور نیند کے مارے صوفے پر ہی ڈھیر ہو گیا تھا اور اب بھی اسی صوفے پر پڑا ہوا  
تھا..... حمید نیچے فرش پر نظر آیا۔ وہ ابھی جاگا نہیں تھا..... قاسم نے اٹھ کر اسے جھنجھوڑا۔  
”اے ہم دونوں چکد ہیں..... اب اٹھو یہی۔“

حمید اٹھ بیٹھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔  
”شاید سالیوں نے کافی میں قحط ملا دیا تھا۔“ قاسم جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔  
حمید نے بے بسی سے اپنی زبان دکھائی..... اور قاسم سے بتایا کہ بول نہیں سکتا۔  
”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ میری جندگی میں زہر گھول سقو۔“  
اتنے میں وہ دونوں بھی آگئیں اور ان کے اس طرح سو جانے پر ان کا مضحکہ اڑانے لگیں۔  
”یہ بڑا منحوس آدمی ہے۔“ قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ”کچھ نہیں بولتا تب  
بھی میری تقدیر پھوٹ جاتی ہے۔“

دونوں حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگیں۔ حمید مسکرا رہا تھا۔  
”ہاں..... ہاں جلاؤ سارے مجھے کھاموشی سے جلاؤ۔“ قاسم دانت پیس کر بولا۔  
اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور ایک عورت نے ریسپور اٹھا لیا..... پھر ماؤتھ پیس ہاتھ میں  
لے کر حمید کی طرف مڑی۔

”آپ کا فون ہے کپتان صاحب!“  
حمید نے قاسم کو کال ریسپو کرنے کا اشارہ کیا..... وہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اس  
پر آمادہ ہو گیا تھا۔

اس بار میری میزبانی کی مدت مختصر نہ ہوگی کیوں کہ تم لوگ میری اسکیم سے باخبر ہو چکے  
ہو۔ اس معاملے سے بچنے کے لیے جب دوبارہ زیرو لینڈ کے قیدیوں کی طرف توجہ دوں گا تو  
تم دونوں سے بھی پٹ لوں گا۔ فی الحال تو تم دونوں ہی میرا آلہ کار ہو۔ بوڑھی عورت کی چھیڑ  
خانی سے تمہاری طبیعت مکدر ہو چکی ہوگی..... اس لیے اب آرام کرو! بے فکر رہو۔  
تمہارا سب سے زیادہ خیر اندیش  
”سگ“

اس تحریر کا مطلب تھا کہ خود سنگ عمارت میں موجود نہیں ورنہ سامنا کرنے میں سے کیا  
دشواہی ہو سکتی تھی۔

حمید تمباکو کاٹن کھول کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

قاسم کو بے حد خوشی تھی کہ حمید نے بالکل چپ سادھ لی ہے۔ پچھلی رات نیا گرا کی  
لائٹ فیل ہوئی تھی تو اس نے سوچا تھا..... کاش کسی طرح اس اندھیرے میں ان دونوں عورتوں  
کے ساتھ چپ چاپ باہر نکل جاتا اور حمید کو خبر نہ ہو سکتی لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی  
تھی..... ہوتی بھی کیونکر..... اندھیرا گھپ تھا۔  
اتنے میں کسی نے با آواز بلند درخواست کی تھی کہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں۔  
جزیرہ کی خرابی فوراً دور کر دی جائے گی۔

لیکن اس میں بھی پانچ چھ منٹ لگ گئے تھے۔ روشنی ہوئی تھی اور قاسم کسی چندھیائے  
ہوئے چوپائے کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔  
حمید پر نظر پڑی تھی اور اس کے منہ سے خون کی بوندیں ٹپکتی دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔

جس پر تحریر تھا۔ ”ناشتے کے لیے اسی کمرے میں پہنچو جہاں دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔“  
ہدایت کے مطابق کچھ دیر بعد وہ اس کمرے میں پہنچا تھا۔ شام کی چائے میز پر لگی ہوئی تھی۔

لیکن چائے کی پیالی ختم کرنے کے بعد ایک بار پھر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔  
دوسری مرتبہ آنکھ کھلنے سے قبل ہی پورے جسم میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔  
وہ کرسیوں پر رسیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ بندش اتنی سخت تھی کہ پورا جسم دکھنے لگا تھا۔  
بہت بڑا کمرہ تھا۔ جس میں تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بڑی میز کے سامنے متعدد خالی کرسیاں بڑی نظر آئیں۔

میز کی دوسری طرف سنگ ہی ایک اونچی پشت گاہ والی کرسی پر براجمان تھا کسی چھوٹی موٹی عدالت ہی کا ساما حول لگ رہا تھا۔ سنگ حمید کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔ ”گڈ ایوننگ مائی ڈیر کیپٹین حمید۔ تم تنہا نہیں رہو گے۔ لازم و ملزوم اکٹھا ہوں گے۔“  
”کیا مطلب؟“

”تمہارا ہمشکل تمہارے سرپرست کرنل فریدی پر قابو پا چکا ہے۔ لہذا وہ بھی آیا ہی چاہتا ہے!“

”یہ ناممکن ہے۔“  
”تم دیکھ ہی لو گے۔ اس بار کرنل فریدی کی ساری ہوش مندی رکھی رہ گئی اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا ہو گا کہ کب تم نیا گرا سے اٹھائے گئے اور کب تمہاری جگہ تمہارے ہمشکل نے لے لی۔“

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے رہ گیا۔  
سنگ قبچہہ لگا کر بولا۔ ”آج شاید پہلی بار تم دونوں اپنی بے بسی پر رو پڑو۔ کیوں کہ تمہارے سامنے ہی میں تمہارے ملک کے دس بہت بڑے دولت مند لوگوں سے اپنے مطالبات پورے کراؤں گا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ کنپٹیوں پر ہتھوڑے سے پڑ رہے تھے۔

دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر اس کے چہرے پر زلزلہ سا طاری ہو گیا۔ ”جج۔ جی ہاں۔ وہ پچھلی رات۔۔۔ نیاغرا کی بجلی فیل ہو گئی تھی۔ گر پڑے زبان دانتوں میں دب کر کٹ گئی ہے۔۔۔ بول نہیں سکتے حمید بھائی۔ جی۔ جی۔ جی۔ بہت اچھا۔ سلاما لیم۔“

ریسیور رکھ کر وہ اس طرح ہانپنے لگا تھا۔ جیسے کسی سے دھینگا مشتی کر کے آ رہا ہو۔  
”وہ جانتے ہیں۔۔۔ تمہارے والد صاحب کہ تم کہاں ہو۔۔۔!“ قاسم حمید کو گھورتا ہوا زہریلے لہجے میں بولا۔ ”پھر مایا ہے۔۔۔ فوراً گھر پہنچو۔“

لیکن دوسرے ہی لمحے قاسم تھیر رہ گیا۔ کیوں کہ حمید اس کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔  
پھر وہ عجیب سی گھوں گھوں کرتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”پیارے قاسم بھائی تم بھی میرے ساتھ چلو۔ ورنہ کرنل صاحب کو میری مجبوری کا یقین نہیں آئے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں یہیں واپس بھجوا دوں گا۔“

”کیا حرج ہے چلے جاؤ۔“ ایک عورت قاسم کے بازو پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ ”ہم دونوں یہیں تمہارے منتظر رہیں گے۔“

اس کے بعد الگ لے جا کر آہستہ سے کہا تھا۔ ”جتنی جلدی یہ یہاں سے دفع ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ ہم آزادی سے وقت گزار سکیں گے۔“  
”بہت اچھا۔۔۔ بہت اچھا۔۔۔!“ قاسم کی بانچھیں کھل گئیں۔  
وہ حمید کو گھر پہنچانے کے لیے تیار ہو گیا۔

حمید کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس بار اس کی گرفتاری کے ڈرامے کے بعد کیا گل کھلنے والا ہے۔۔۔ دوپہر اس نے سو کر گزاری تھی۔۔۔ شام کو اٹھا تو سر ہانے ایک پرچہ رکھا ہوا ملا



شہزاد غصے میں بھری ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس کا باڈی گارڈ اشج کرسی پر سے اٹھ گیا۔

”تمہاری باتوں میں آکر میں تو ڈوب گئی کہیں تم بھی اس بلیک میلر کے ساتھیوں میں سے تو نہیں ہو!“

”کیا بات ہے مادام!“

”تمہاری باتوں میں آکر میں نے کیپٹن فرعام پر اعتبار کر لیا ورنہ میں کوئی دوسرا راستہ نکالتی۔“

”اس نے وعدہ کیا ہے تو آپ کا نقصان نہیں ہونے دے گا۔“

”تو وہ کہاں مر گیا۔ جانتے ہو ڈرائیگ روم میں کیپٹن حمید میرا منتظر ہے مجھے اس بلیک

میلر کے پاس لے جائے گا..... اور مجھے اس کا مطالبہ پورا کرنا پڑے گا۔“

”مجھے بڑی حیرت ہے! سچ مچ یہ کیپٹن حمید۔ آپ ان کے اوپر والوں سے کیوں نہیں رجوع کرتیں۔“

”اس طرح میری اپنی گردن کٹ جائے گی۔“ وہ دانت پیس کر بولی۔

”تم لوگوں کو حراختوری کے لیے نہیں رکھا گیا!“

”میں معافی چاہتا ہوں مادام..... مجھے حالات کا علم نہیں تھا اس لیے ایسی نامناسب بات زبان سے نکل گئی تھی۔“

”اے جہنم میں جھونکو۔ اب اسکے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ میں ایک بہت بڑا خسارہ

برداشت کروں..... مجھے کیپٹن حمید کے ساتھ تنہا جانا پڑے گا۔ تم لوگ بیٹھے منہ دیکھتے رہنا!“

”کیسے تو ابھی کیپٹن حمید کو گولی مار دوں۔“ اشج نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”فضول بات.....! اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے جانا ہی پڑے گا..... اور اب تم لوگ میرا

تعاقب کرنے کو شش نہ کرنا۔“

”یہ کیوں مادام!“

”اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر تعاقب کا شبہ بھی ہوا تو مجھے سچ مچ پولیس کے حوالے کر

دفعتا بائیں جانب والا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

”اوہ.....!“ حمید نے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ حیرت کا اظہار صرف ”اوہ“ ہی تک محدود رہ گیا۔

اپنی اتنی کامیاب نقل دیکھ کر سکتے میں آ گیا تھا..... بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے اس کا عکس کسی آئینے میں چل پھر رہا ہے۔

”کیا خبر ہے؟“ سنگ نے اس سے پوچھا۔

”فتح.....! اس کا تابوت آ رہا ہے..... کافی کی پیالی میں آپ کے دیئے ہوئے امرت کا ایک ہی قطرہ کافی ثابت ہوا تھا۔“

”گھر پر ہی.....!“

”جی ہاں.....!“

”شاباش.....!“

اتنے میں چار آدمی ایک لمبا سا چوبی صندوق کا ندھوں پر اٹھائے ہوئے اندر آتے دکھائی دیئے۔

کچھ دیر بعد اس میں سے ایک بے ہوش آدمی نکال کر حمید کے برابر والی کرسی پر بٹھا دیا گیا اور اس کے ہاتھ پیر بھی رسی سے جکڑ دیئے گئے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا کیونکہ وہ فریدی ہی تھا اور اس پر اتنی گہری بے ہوشی طاری تھی کہ رسیوں سے جکڑے جاتے وقت بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں۔

”بس اب تم شہزاد کو دیکھو۔“ سنگ نے حمید کے ہمشکل سے کہا۔

”سنگ.....!“ حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

”چینو..... چینو.....!“ سنگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ابھی سے انرجی ضائع نہ کرو ابھی تو تمہیں بہت کچھ دیکھنا ہے۔“



”ہو گئے.....! لیکن اب ان کا زندہ رہنا میرے لیے خطرناک ثابت ہو گا!“  
”تو پھر.....!“

”انہیں قتل کر دو۔ منہ مانگی قیمت دوں گی۔“

”دونوں کے پانچ پانچ لاکھ.....!“ فرعام نے کہا اور حمید کے ہمشکل کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
شہزاد قیمت سن کر کچھ نہیں بولی تھی۔

فرعام آہستہ آہستہ چلتا ہوا..... ان کے قریب آیا..... حمید کی رسیاں کھولیں اور اس کا بازو پکڑ کر اس کے ہمشکل کے قریب لاکھڑا کیا۔

”یکمال ہے بھی۔“ وہ سنگ ہی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”واقعی تم باکمال آدمی ہو۔“

”تم آخر کیا بلا ہو.....!“ سنگ نے چیخ کر پوچھا۔

”دیکھو گے..... یہ لو.....!“ فرعام نے کہا اور اپنے بال مٹھی میں جکڑ کر جو جھکا دیا ہے تو چہرے کی کھال سمیت جسم سے الگ ہو گئے۔

اب ایک فریدی کرسی سے جکڑا ہوا تھا اور دوسرا سنگ سے مخاطب تھا کئی متحیر زدہ سی آوازیں ہال میں گونجیں اور حمید اپنے ہمشکل پر ٹوٹ پڑا۔

فریدی نے کرسی سے جکڑے ہوئے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اگر تم حمید کا ہمشکل پیش کر سکتے ہو..... تو کیا میں اپنا ہمشکل نہیں پیدا کر سکتا..... میرے ہمشکل کو گرفتار کر کے تم اتنے غافل ہو گئے تھے کہ بالآخر میں یہاں موجود ہوں۔“

اتنی دیر میں حمید نے اپنے ہمشکل کو مار مار کر بے ہوشی کی سرحدوں میں دھکیل دیا تھا۔ پھر فریدی نے بے آواز بلند کہا۔ ”ان دسوں معزز ہستیوں کے ہتھکڑیاں لگا دی جائیں!“

اس کے محکمے کے تین آدمی اندر داخل ہوئے۔ شہزاد چیخنے لگی۔

”خاموش رہو.....!“ فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ پچھلے ماہ کی دس تاریخ کے بعد سے تم سب مجرم ہو اور تمہارے جرائم کے ثبوت میری جیب میں موجود ہیں۔

”خدا کے لیے رحم کرو.....!“ شہزاد گڑ گڑائی۔

”عدالت سے رحم کی اپیل کرنا..... میں عذاب کے فرشتوں کی طرح گونگا اور بہرہ

ہوں۔ چلو جلدی کرو۔“

”اچھا تو آپ لوگ اپنے گھر جائیں اور یہ اپنے گھر..... میرا ان سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے۔“

”ٹھہرو.....!“ ان میں سے ایک نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔“

”ضرور..... لیکن جلدی۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

وہ آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے..... اور سنگ فریدی اور حمید کی طرف متوجہ ہو گیا تھا..... اس کے ہونٹوں پر مضحکہ اڑانے والی مسکراہٹ تھی۔

دفعۃً دو چیخیں فضا میں گونجیں اور دروازے کے قریب کھڑے ہوئے دونوں مسلح چینی منہ کے بل زمین پر آ رہے..... ان کی پشتوں پر خنجر دھکے دے دتے نظر آ رہے تھے۔

سنگ اچھل کر کھڑا ہو گیا..... لیکن قبل اس کے کہ وہ سنبھل سکتا پشت والی دیوار کے روشندان سے ایک جال اس پر گرا..... اور پھر بڑی پھرتی سے اسے کھینچ لیا گیا۔

اب وہ جال میں پھنسا فضا میں جھول رہا تھا..... مرنے والے دونوں مسلح چینیوں کی جگہ دو مقامی باشندے لے چکے تھے جن کے ہاتھوں میں ٹامی گئیں تھیں۔

اور پھر شہزاد کی بانچھیں کھل گئیں..... اس نے کیپٹن فرعام کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

”بریو فرعام..... بریو.....!“ وہ بچوں کی طرح تالیاں بجاتی ہوئی چیخی۔

”ان لفافوں پر قبضہ کر لو۔“

”یقیناً مادم..... اور یہاں میرا کیا مصرف ہے۔“ فرعام نے سرد لہجے میں کہا۔

اور دسوں لفافے میز پر سے اٹھا کر اپنی جیبوں میں ٹھونس لیے۔

”دیکھا تم نے شہزاد کو۔“ شہزاد سنگ کو گھونسنہ دکھا کر چیخی۔

سنگ بالکل خاموش تھا۔

فرعام کرٹل فریدی اور کیپٹن حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

پھر وہ شہزاد کی طرف مڑ کر بولا۔ ”اب آپ کو یقین آیا کہ یہ دونوں بے حد ایماندار

آفیسر ہیں۔“



رات گئے وہ دونوں پھر اکٹھے ہوئے..... فریدی چپ چپ سا تھا۔ ”آپ خواہ خواہ بور ہو رہے ہیں۔“ حمید نے اسے بولنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

حمید صاحب اس کے نکل جانے کا افسوس نہیں ہے..... بلیک فورس کے تین بہترین ممبر ضائع ہو گئے..... سنگ ایک ماہر خنجر باز بھی ہے..... یہ میں بھول گیا تھا..... میں سمجھا تھا کہ اگر اس کے پاس خنجر ہوگا تو جال کو اسی حالت میں کاٹنے کی کوشش نہیں کرے گا اہر یہ میں جانتا ہوں کہ اگر اس کے آس پاس اس کا کوئی مسلح آدمی موجود ہو تو وہ اپنے ساتھ اسلحہ نہیں رکھتا۔“

”اور سنو۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ ان تینوں نے اسے روشندان سے باہر کھینچ لینے کی کوشش کی ہو۔ وہ خود ہی جال کی رسی پر زور لگا کر جال سمیت روشندان سے گزرا ہوگا۔“

”اے جہنم میں جھونکتے..... یہ بتائیے کہ ان لفافوں میں کیا تھا؟“

”پچاس لاکھ ڈالر کے چیک جو غیر ممالک میں کیش کرا لیے جاتے۔“

”کیا مطلب؟“

”تمہیں یاد ہوگا کہ حکومت نے پچھلے ماہ اعلان کرایا تھا کہ جن لوگوں نے چوری چھپے غیر ممالک میں زرمبادلہ جمع کرا رکھا تھا۔ وہ دس تاریخ تک اسٹیٹ بینک کو مطلع کر دیں ورنہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ یہ دسویں ایسے ہی لوگوں میں سے تھے..... سنگ ان کے خلاف ثبوت لایا تھا اور انہیں اس بات پر مجبور کرتا رہا تھا کہ وہ اپنی اس دولت کا پچاس فیصد اس کے حوالے کر دیں..... ورنہ وہ حکومت کے ذمہ داروں کو مطلع کر دے گا۔ اعلان کی آخری تاریخ گزر چکی تھی لہذا وہ سب مجرم تھے..... پولیس کو بھی مطلع نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔ سنگ نے عینکوں وغیرہ کا جو چکر چلایا تھا وہ اس لیے تھا کہ ہم اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور وہ اپنا کام کر گزرے..... ادھر ان لوگوں کو یہ تاثر دیتا رہا کہ ہم دونوں بھی اس کی بلیک میلنگ میں شریک ہیں..... چپ چاپ یہ کام کر بھی گزرتا لیکن شہر زاد الجھ پڑی اور اسے سچ مچ ہمیں گھیشنا پڑا..... نیا گرام میں تم نے جس شخص سے گفتگو کی تھی۔ اس پر مجھے پہلے ہی سے شبہ تھا اس کے خلاف کچھ ثبوت ملے تھے لہذا میں نے اسے آزمایا اور

اس کے ماتحتوں نے آن واحد میں ان کے جھکڑیاں لگا دیں۔

اتنے میں حمید چیخا۔ ”ارے..... وہ گیا!“

جتنی دیر میں فریدی متوجہ ہوتا..... سنگ جال سمیت روشندان سے گزر گیا۔

”فکر نہ کرو.....!“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”وہ دوسری طرف کھینچا گیا ہے۔“

پھر اس نے شہر زاد سے کہا۔ ”اشع میرا ہی آدمی ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آصف

تمہارے لیے باڈی گارڈ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ لہذا میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔“

”تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے!“

”میری تم سے ذاتی دشمنی نہیں ہے..... لیکن ملک قوم کے دشمنوں کی کھال اتارنا میری

زندگی کا مقصد ہے..... سارجنٹ رمیش انہیں لے جاؤ۔“

اب وہ بھی گزر گرا رہے تھے..... لیکن فریدی ان کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

حمید الجھن میں تھا کہ آخر ان لفافوں میں کیا ہے۔

”اسے کھول دو.....“ فریدی نے اپنے ہشکل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”وہ آخر ہے کون؟“

”انور.....!“

”اوہ..... خدایا..... میں آواز سے بھی نہیں پہچان سکا۔ خاصا چل نکلا ہے!“

حمید کا بے ہوش ہم شکل بھی باہر لے جایا جا چکا ہے۔

دفعتاً سارجنٹ رمیش دوڑتا ہوا اندر آیا..... بری طرح کانپ رہا تھا۔ روشندان کی طرف

ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جناب وہ سچ مچ نکل گیا۔“

”کیا کہتے ہو.....!“ فریدی دروازے کی طرف جھپٹا۔

روشندان کی دوسری طرف دیوار کے نیچے تین قوی ہیکل آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں

جن کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے اور پاس ہی جال کٹا پڑا تھا۔

فریدی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گیا ہو۔



دوسروں کے بارے میں بھی اپنے شیعے کی تصدیق کر لی.... سنگ سمجھا تھا کہ نیا گرا سے تمہارے اٹھائے جانے اور تمہاری جگہ لینے والے کے بارے میں بے خبر ہی رہوں گا۔ لیکن ایسا نہیں تھا.... مجھے پل پل کی خبر تھی۔“

”قاسم کہاں ہے؟“

”اپنے گھر پر.... ان دونوں عورتوں کی تلاش جاری ہے.... بہر حال اب یہ بات چھپائی نہیں جاسکتی کہ زرد فتنہ کون تھا۔ اوپر والوں کے علم میں بھی لانا پڑے گا۔“

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کے مارے جانے پر بہت دکھی ہے۔

ختم شد